دعوت

المستوى: الرابع | 4 | درجہ: چہارم

إعداد: قسم التعليم — تیار کردہ: شعبۂ تعلیم

ترجمة وترجمانی: أبو فيصل سميع الله رحمہ اللہ

تحت إشراف — زیر نگرانی

المكتب التعاوني للدعوة وتوعية الجاليات بالربوة
ISLAMIC PROPAGATION OFFICE IN RABWAH
P.O.BOX 29465 ARRIYADH 11457
TEL 4454900 – 4916065 FAX 4970126

تعريف الدعوة والداعية

دعوت اور داعیہ کی تعریف

دعوت کی تعریف: یعنی پھیلانا اور دوسروں تک پہنچانا اور عام کرنا۔

داعیہ کی تعریف: وہ شخص جو خیر کی طرف یعنی اسلام کی جانب دعوت دے اور بلائے۔

حاجة الناس إلى الدعوة

اسلامی دعوت کی طرف لوگوں کی حاجت اور ضرورت

تمام لوگ اپنی مختلف جنسیتوں، مختلف رنگوں، مختلف زمانوں مختلف قوتوں اور مختلف صفتوں کے باوجود دعوتِ اسلامی کی طرف سخت ضرورت مند ہیں، اور ان کی یہ ضرورت اللہ کے دینِ حق کی جانب ہے جو ان کی زندگی کو صحیح رخ عطا کردے اور نظام حقانیت کی لڑی میں پرو دے، خواہ اس کا تعلق خالق کے ساتھ ہو یا مخلوق میں سے کسی مخلوق کے ساتھ ہو۔

اسلام کو ایک منہج حیات (دستورِ زندگی) سمجھتے ہوئے اس کی عملی تطبیق دینی چاہئے، کیوں کہ وہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو کائنات، انسان اور حیات کا صحیح تصور پیش کرتا اور اس کی وضاحت کرتا ہے، اور انسان کو اس کی پیدائش کا سبب بتلاتا ہے۔ اور اس عقیدہ کی انہی اساس اور اصول کی بنا پر شریعت اور نظام کا قیام عمل میں آتا ہے جو حیات پر حکومت کرتا ہے، چنانچہ اسلام ایک ایسا منہج اور دستور زندگی ہے جو ہر اک جانب سے مکمل ہے، اور بغیر دعوت وارشاد اور تعلیم و تعلم کے اس کے کامل ہونے کا علم حاصل نہیں ہو سکتا ہے، اور اسی سے دعوت کی اہمیت پھوٹ کر سامنے آتی ہے، اور اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کو غذا، دوا، ہوا، پانی اور ڈاکٹروں کی ضرورت سے کہیں زیادہ دعوت کی ضرورت ہے۔

الدعوة وظيفة الرسل

اللہ کی طرف دعوت دینا رسولوں کا وظیفہ ہے

اس دنیا میں حیات دے کر ہر مخلوق پیدا کی گئی ہے، تاکہ جو وظائف وواجبات اور ذمہ داریاں اس پر ڈالی گئیں ہیں انہیں اللہ کے ارادے اور اس عظیم کون کے نظام کے مطابق انجام دے۔

اور بلاشبہ لوگوں کے بارے میں انبیاء اور مرسلین علیہم الصلاۃ والتسلیم کے واجبات اور وظائف میں سے سب سے اہم اور نمایاں وظیفہ یہ ہے کہ وہ متعدد اسالیب اور متنوع طریقوں سے انہیں اللہ واحد کی طرف بلائیں، ان سے جنت کا وعدہ کریں اور نارِ جہنم سے انہیں ڈرائیں۔

بلکہ کسی کو نبی بنانے، اسے نبوت کے اہل قرار دینے اور اسے اس کے لئے چننے کی حکمت اور راز یہ ہوتی ہے کہ وہ اس عظیم رسالت کا بوجھ اپنے کندھے پر اٹھائے اور پھر اسے لوگوں تک جوں کا توں پہنچادے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ ٱعْبُدُواْ ٱللَّهَ وَٱجْتَنِبُواْ ٱلطَّٰغُوتَ ﴾ [النحل: ٣٦]

''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو۔''

اور ہمارے رسول محمد ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ شَٰهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٤٥﴾ وَدَاعِيًا إِلَى ٱللَّهِ بِإِذْنِهِۦ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ﴿٤٦﴾ ﴾ [الأحزاب: ٤٥ - ٤٦]

''اے نبی! یقیناہم ہی نے آپ کو (رسول بنا کر) گواہیاں دینے والا، خوشخبریاں سنانے والا، آگاہ کرنے والا بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ۔''

فضل الدعوة

دعوت کی فضیلت

✸ **اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا ایک عظیم اور افضل پیشہ ہے،** اس لئے کہ یہ تمام انبیاء ورسل علیہم الصلاۃ والسلام کا وظیفہ ہے، اور بلا شبہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے مقرب، چہیتے، عزت وتکریم والے اور تمام مخلوق میں سب سے افضل اور اشرف ہیں۔

نیز یہ رسولوں کے خلفاء اور ان کے حقیقی وارث علماء عاملین کا بھی وظیفہ ہے، جو لوگوں کو حق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اور خیر وبھلائی کو ان کی طرف محبوب اور ہر دلعزیز بنا کر پیش کرتے ہیں، اور انہیں بدترین تاریکیوں سے نکال کر ہدایت اور علم وایمان کی روشنی کی طرف لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ﴾ [فصلت: ٣٣]

''اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔''

✸ **بیشک یہ وظیفہ بہترین اطاعت وفرماں برداری میں سے اور تقرب الٰہی کے اہم ذرائع میں سے ایک ہے،** کیوں کہ اس کا ثمرہ اور انجام لوگوں کو راہ حق وہدایت کا ملنا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لاَ يُنْقِصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا» [رواه مسلم]

''جس نے ہدایت اور حق کی طرف دعوت دی اس کے لئے اجر وثواب ہے ان تمام لوگوں کے اجر

وثواب کے مثل جو اس ہدایت کی اتباع کئے، بلانے والے کا اجر وثواب ان کے اجر وثواب میں سے کچھ بھی کمی نہیں کریگا۔''

✸ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے) کا فریضہ انجام دینے والوں کی اللہ تعالی نے تعریف کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ٱلتَّـٰٓئِبُونَ ٱلۡعَـٰبِدُونَ ٱلۡحَـٰمِدُونَ ٱلسَّـٰٓئِحُونَ ٱلرَّٰكِعُونَ ٱلسَّـٰجِدُونَ ٱلۡأَمِرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَٱلنَّاهُونَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَٱلۡحَـٰفِظُونَ لِحُدُودِ ٱللَّهِۗ وَبَشِّرِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ﴾ [التوبة: ١١٢]

''وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، (یا راہ حق میں سفر کرنے والے)، رکوع اور سجدہ کرنے والے، نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے، اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں کا خیال رکھنے والے ہیں، اور اے مومنین کو آپ خوشخبری سنادیجئے۔''

علماء کا قول ہے کہ اس آیتِ کریمہ کا حکم جس پر وہ دلالت کرتا ہے وہ امکان، قدرت اور استطاعت ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر تمکنت اور قدرت عطا کیا ہو خواہ وہ ایک ہی بالشت زمین پر ہو. لہذا جسے اللہ تعالیٰ روئے زمین پر تمکنت اور قدرت عطا کرے اور وہاں پر اسے ملکۂ استطاعت کی نعمت سے نواز دے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے سکے، تو پھر ایسا شخص اس فریضہ کی انجام دہی کے لئے مکلف ہے کہ اسے وہ اپنے ہاتھ، زبان یا دل کے ساتھ بروئے کار لائے (یعنی منکرات کو قوتِ ہاتھ سے مٹائے، اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو زبان سے اس کی برائیاں اور مضرّات بیان کرے، اور اگر یہ بھی مشکل ہو تو پھر اسے اپنے دل میں برا جانے)، اور اگر ایسا نہیں کرتا ہے تو پھر وہ گناہ گار ہے اور اس سے مواخذہ کیا جائے گا۔

✸ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مومنین اور منافقین کے درمیان حدِّ فاصل ہے۔ فرمانِ رب کریم ہے:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَيُطِيعُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ ٱللَّهُ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴾ [التوبة: ٧١]

''مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ومعاون اور) دوست ہیں، وہ بھلائیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا، بیشک اللہ غلبے والا خوب حکمت والا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت کرتے ہوئے ان کے اوصاف مومنوں کی اوصاف کے بر عکس بیان کیا ہے۔ فرمان ہے:

﴿ ٱلْمُنَٰفِقُونَ وَٱلْمُنَٰفِقَٰتُ بَعْضُهُم مِّنۢ بَعْضٍ ۘ يَأْمُرُونَ بِٱلْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ نَسُوا۟ ٱللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ۗ إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ﴾ [التوبة: ٦٧]

''تمام منافق مرد و عورت آپس میں ایک ہی ہیں، یہ بری باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بھلی باتوں سے روکتے ہیں، اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں، یہ اللہ کو بھول گئے، اللہ نے انہیں بھلا دیا۔ بے شک منافق ہی فاسق وبد کردار ہیں۔''

✸ دعوت کا فریضہ انجام دینے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں نجات پنہاں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس اہم فریضہ کی ادائیگی کو نجات کا راز قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَلَمَّا نَسُواْ مَا ذُكِّرُواْ بِهِۦٓ أَنجَيۡنَا ٱلَّذِينَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلسُّوٓءِ وَأَخَذۡنَا ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ بِعَذَابِۭ بَـِٔيسِۭ بِمَا كَانُواْ يَفۡسُقُونَ﴾ [الأعراف: ١٦٥]

''سو جب وہ اس کو بھول گئے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو اس بری عادت سے منع کیا کرتے تھے، اور ان لوگوں کو جو کہ زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے یہاں واضح بیان کر دیا کہ بری عادتوں سے منع کرنے کی وجہ سے وہ نجات سے مستفید ہوئے۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَثَلُ الْقَائِمِ فِي حُدُودِ اللّٰهِ، وَالْوَاقِعِ فِيهَا، كَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَهَمُوا عَلَى سَفِينَةٍ فَصَارَ بَعْضُهُمْ أَعْلاَهَا، وَبَعْضُهُمْ أَسْفَلَهَا، وَكَانَ الَّذِينَ فِي أَسْفَلِهَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلَى مَنْ فَوْقَهُمْ. فَقَالُوا: لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِي نَصِيبِنَا خَرْقًا، وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا، فَإِنْ تَرَكُوهُمْ وَمَا أَرَادُوا، هَلَكُوا جَمِيعًا، وَإِنْ أَخَذُوا عَلَى أَيْدِيهِمْ، نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيعًا». [رواه البخاري]

''جو اللہ کی حدوں پر قائم ہیں اور جو ان حدوں میں واقع ہیں، ان کی مثال ان لوگوں کی مثال ہے، جو ایک کشتی پر سوار ہونے میں قرعہ اندازی کئے، تو کچھ لوگوں کو بالائی حصہ ملا اور کچھ کو نچلا طبق، تو جو لوگ پانی کی سطح والے حصہ پر تھے انہیں پانی کی ضرورت پڑتی، تو اپنے اوپر والے لوگوں کے پاس سے ہو کر گزرتے، اور بالآخر وہ کہنے لگے: اگر ہم اپنے حصہ والے کشتی میں سوراخ کر لیں اور اپنے اوپر

والوں کو تکلیف نہ دیں۔ چنانچہ اوپر والوں نے اگر انہیں چھوڑ دیا اور انہیں ان کے کہنے کے مطابق کرنے دیا، تو سارے کے سارے لوگ ہلاک ہو جائیں گے، اور اگر انہیں سوراخ کرنے سے روک دیا اور ان کے ہاتھ روک لئے تو وہ بھی اور یہ بھی تمام کے تمام لوگ غرق ہونے سے بچ جائیں گے۔''

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّه كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُولُ: يَا هَذَا اتَّقِ اللَّهَ، وَدعْ مَا تَصْنَعُ، فَإِنَّهُ لاَ يَحِلُّ لَكَ، ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ وَهُوَ عَلَى حَالِهِ، فَلاَ يَمْنَعُهُ ذَلِكَ أَنْ يَكُونَ أَكِيلَهُ وَشَرِيبَهُ وَقَعِيدَهُ، فَلَمَّا فَعَلُوا ذَلِكَ ضَرَبَ اللَّهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ» ثُمَّ قَالَ: ﴿لُعِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ مِنۢ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُۥدَ وَعِيسَى ٱبۡنِ مَرۡيَمَۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَواْ وَّكَانُواْ يَعۡتَدُونَ ٧٨ كَانُواْ لَا يَتَنَاهَوۡنَ عَن مُّنكَرٖ فَعَلُوهُۚ لَبِئۡسَ مَا كَانُواْ يَفۡعَلُونَ ٧٩ تَرَىٰ كَثِيرٗا مِّنۡهُمۡ يَتَوَلَّوۡنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْۚ لَبِئۡسَ مَا قَدَّمَتۡ لَهُمۡ أَنفُسُهُمۡ أَن سَخِطَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِمۡ وَفِي ٱلۡعَذَابِ هُمۡ خَٰلِدُونَ ٨٠ وَلَوۡ كَانُواْ يُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلنَّبِيِّ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيۡهِ مَا ٱتَّخَذُوهُمۡ أَوۡلِيَآءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرٗا مِّنۡهُمۡ فَٰسِقُونَ ٨١﴾ [المائدة: ٧٨- ٨١]

ثُمَّ قَالَ: «كَلاَّ، وَاللَّهِ! لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلَتَأْخُذُنَّ عَلَى يَدِ الظَّالِمِ، وَلَتَأْطِرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْراً، وَلَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا، أَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللَّهُ بِقُلُوبِ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضٍ، ثُمَّ لَيَلْعَنَنَّكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ»

[رواه أبو داود ، والترمذي وقال: حديث حسن].

''(دین میں سب سے پہلی کوتاہی جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوئی، وہ یہ تھی کہ آدمی دوسرے آدمی سے ملتا اور اس سے کہتا: اے شخص! اللہ سے ڈر، اور جو کام تو کرتا ہے اسے چھوڑ دے، اس لئے کہ وہ تیرے

لئے حلال نہیں ہے۔ پھر جب کل (دوبارہ) اس سے ملتا جب کہ وہ اسی حال پر ہوتا تو اس کا یہ (گناہ پر اصرار) اسے اس کا ہم نوالہ، ہم پیالہ اور ہم مجلس بننے سے نہ روکتا (جب کہ گناہ پر اصرار کا تقاضا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کھانے پینے اور ہم نشینی سے گریز کرتا۔) چنانچہ جب انہوں نے ایسا کیا (یعنی یہ کوتاہی عام ہو گئی) تو اللہ تعالی نے ان کے دلوں کو یکساں کر دیا۔'' پھر نبی ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

﴿ لُعِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ مِنۢ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ..... وَلَٰكِنَّ كَثِيرٗا مِّنۡهُمۡ فَٰسِقُونَ ﴾

''بنی اسرائیل کے کافروں پر داود اور عیسی علیہما السلام کی زبانی لعنت کی گئی، یہ اس سبب سے جو انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزر جانے والے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے کہ انہوں نے وہ خود کی ہوتی تھی، یقینا بہت برا ہے جو وہ کرتے تھے۔ تو ان میں سے اکثر لوگوں کو دیکھے گا کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، بہت برا ہے جو ان کے نفسوں نے ان کے لئے آگے بھیجا کہ اللہ ان سے ناراض ہو گیا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ وہ اللہ پر اور اس کے نبی پر ایمان لے آتے اور اس پر ایمان لاتے جو اس کی طرف نازل کیا گیا، تو ان (کافروں) کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں سے زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔'' پھر فرمایا: ''خبردار اللہ کی قسم! تم ضرور نیکی کا حکم کرو اور ضرور برائی سے روکو، اور ضرور ظالم کا ہاتھ پکڑو اور انہیں زبردستی (خوب کوشش کر کے) حق کی طرف موڑو اور انہیں حق پر مجبور کرو، ورنہ اللہ تعالی تم سب کے دلوں کو یکساں کر دے گا، پھر تم پر لعنت کرے گا جیسے ان پر لعنت کی۔''

مكارم الدعاة

فضائل ومکارم دعاۃ

اگر ہم قرآن وسنت کے نصوص کو تلاش کریں جو دعاۃ کی عزت وتکریم، ان کی اعلیٰ قدر ومنزلت اور ان کے فضائل کی جانب اشارہ کرتی ہیں، تو ہمیں اس قدر ملیں گی جن کا شمار کرنا بہت مشکل کام ہے، بطور مثال چند نصوص ملاحظہ فرمائیں:

❶ دعاۃ ہی سب سے بھلے اور نیک لوگ ہیں، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾[آل عمران: ١١٠]

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

❷ دعاۃ ہی لوگوں پر شاہد اور گواہ ہیں، فرمان رب کریم ہے:

﴿ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ﴾[البقرة: ١٤٣]

''ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ، اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں۔''

❸ دعاۃ ہی دنیا وآخرت میں فلاح پانے اور کامیاب ہونے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾[آل عمران: ١٠٤]

''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں۔''

❹ دعاۃ ہی بات چیت اور کلام کے اعتبار سے سب سے اچھے لوگ ہیں، اس پر دلیل اللہ تعالی کا یہ قول مبارک ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ﴾ [فصلت: ٣٣]

''اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقینا مسلمانوں میں سے ہوں۔''

❺ دعاۃ اور علماء ہی انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیم کے حقیقی وارث ہیں، اس پر دلیل وہ حدیث ہے جسے پانچ محدثین (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابوداود) اور امام حاکم رحمہم اللہ نے روایت کی ہے:

«الْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ». ''علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔''

اس سے مراد وہ علماء اور دعاۃ الی اللہ ہیں جو قوموں اور امتوں کو بھلائی کی طرف دعوت دینے اور بشریت کو راہ راست کی طرف رہنمائی کرنے میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت کی اتباع اور اقتداء کرنے والے ہیں۔

❻ دعاۃ کے لئے آسمانوں اور زمین والے استغفار کرتے ہیں، اس پر دلیل امام ترمذی رحمہ اللہ کی روایت ہے جسے انہوں نے ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کی ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلاَئِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةُ فِي جُحْرِهَا، وَالْحِيتَانُ فِي الْبَحْرِ يُصَلُّونَ عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ».

''بیشک اللہ تعالی، اور اس کی فرشتے، اور آسمانوں اور زمین والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنی سوراخ کے اندر، اور مچھلیاں سمندر کی اندر، لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے معلم پر صلاۃ بھیجتے ہیں۔''

صلاۃ کا معنی اور مطلب:

بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے صلاۃ کا بھیجنا یعنی ان پر اپنی رحمت کا نزول کرنا۔ اور فرشتوں کی جانب سے صلاۃ پڑھنا یعنی ان کے لئے استغفار کرنا یعنی بخشش اور مغفرت کی دعا کرنا۔ اور بندے کا صلاۃ پڑھنا یعنی ان کے لئے دعاء خیر کرنا۔

❼ دعاۃ کی نیکیاں اور اجر وثواب کبھی منقطع نہیں ہوتے ہیں، فرمانِ رسول اکرم ﷺ ہے:

«مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لاَ يُنْقِصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا» [رواه مسلم]

''جس نے ہدایت اور حق کی طرف دعوت دی اس کے لئے اجر وثواب ہے ان تمام لوگوں کے اجر وثواب کے مثل جو اس ہدایت کی اتباع کئے، بلانے والے کا اجر وثواب ان کے اجر وثواب میں سے کچھ بھی کمی نہیں کرے گا۔''

❽ لوگوں کا ہدایت یافتہ ہو جانا دعاۃ کے لئے دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے بہتر اور افضل ہے۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَاللَّهِ! لأَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ بِكَ رَجُلاً وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَكُونَ لَكَ حُمُرُ النَّعَمِ». وفي رواية: «خَيْرٌ لَكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيهِ الشَّمْسُ وَغَرُبَتْ».

''اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک کو ہدایت دے دے تو یہ چیز تمارے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ تمہارے لئے سرخ اونٹیں ہوں۔'' اور دوسری روایت میں ہے: ''تمہارے لئے ان چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے۔''

داعیہ کی یہ فضیلت اور منقبت ہے کہ جب اس کے ذریعہ ایک آدمی مشرّف بہ اسلام ہو جائے یا ہدایت یافتہ ہو جائے۔ تو جب کوئی داعیہ کسی جمّ غفیر یعنی بہت بڑی تعداد یا کسی قوم کی ہدایت کا سبب بن جائے تو پھر اس کی فضیلت اور برتری کا کیا عالم ہوگا؟

مسئولية الداعي الحق ووظيفته الحقيقية

داعی حق کی مسئولیت اور ذمہ داری اور اس کا حقیقی وظیفہ

نہ تو انبیاء علیہم السلام اور نہ ہی ان کے سوا کسی اور بشر کے اختیار اور ملکیت میں یہ بات ہے کہ وہ بذات خود لوگوں کے دلوں میں ہدایت ڈال دیں، جس طرح کہ شیطان کے بس اور اختیار میں یہ چیز نہیں ہے کہ وہ اپنی مرضی اور ارادہ سے انسانوں کے دلوں میں ضلالت اور گمراہی کو بودے اور انہیں گمراہ کر دے۔

ان دونوں میں سے ہر ایک یعنی داعیہ الی الحق اور داعیہ الی الضلال جس چیز کی ملکیت رکھتے ہیں وہ بس یہ ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے طریقہ کی طرف بلاتے ہیں، لیکن ضلالت یا ہدایت کا اختیار کرنا اور اپنانا تو یہ سب کچھ "کلیّۃ" آدمی کی رغبت اور چاہت پر موقوف ہوتا ہے، اور اس کی طبیعت پر منحصر ہوتا ہے اور اللہ کی توفیق پر اس کا دار و مدار ہوتا ہے کہ جسے چاہے اس راستہ پر چلائے۔

دعاۃ کی حقِ ملکیت صرف ہدایت کی دلالت وارشاد اور رہنمائی ہے، اور اس کا الہام کرنا اور اس کی توفیق دینا یہ اللہ کی خاص ملکیت ہے۔ فرمانِ رب ذوالجلال ہے:

﴿وَمَا عَلَى ٱلرَّسُولِ إِلَّا ٱلْبَلَٰغُ ٱلْمُبِينُ﴾[النور: ٥٤]

''سنو! رسول کے ذمّے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے''۔

اور اللہ کا یہ فرمان:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِى مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِى مَن يَشَآءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِٱلْمُهْتَدِينَ﴾ [القصص: ٥٦]

''آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے، ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے۔''

اور یہ فرمانِ رب کریم:

﴿ إِن تَحۡرِصۡ عَلَىٰ هُدَىٰهُمۡ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهۡدِي مَن يُضِلُّ وَمَا لَهُم مِّن نَّٰصِرِينَ ﴾ [النحل: ٣٧]

''گو آپ ان کی ہدایت کے خواہش مند رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کر دے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوتا ہے۔''

اور اللہ کا یہ فرمان:

﴿ وَمَآ أَكۡثَرُ ٱلنَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِينَ ﴾ [یوسف: ١٠٣]

''گو آپ لاکھ چاہیں لیکن اکثر لوگ ایماندار نہ ہوں گے۔''

داعی کے لئے یہ ضروری اور مناسب ہے کہ وہ یہ فکر نہ کرے کہ لوگ اس کی دعوت پر کان دھرتے ہیں یا بغور سنتے ہیں کہ نہیں، اور نہ ہی یہ مناسب ہے کہ وہ یہ خیال کر بیٹھے اور سمجھے کہ زمانہ اور حالات اس کی دعوت کی لئے موزوں اور مناسب ہے یا اس کے مخالف اور متضاد ہے، بلکہ اس کے لئے یہ ضروری اور مناسب ہے کہ وہ یہ فکر کرے کہ کیا وہ ایسے اسباب اور ذرائع اپنانے کی استطاعت اور قابلیت وصلاحیت رکھتا ہے کہ جس سے اس قوم کو ضلالت اور ہلاکت وتباہی سے کھینچ کر فلاح، ہدایت اور کامیابی کی طرف لے آئے۔ فرمانِ ربِّ ذوالجلال ہے:

﴿وَإِذۡ قَالَتۡ أُمَّةٞ مِّنۡهُمۡ لِمَ تَعِظُونَ قَوۡمًا ٱللَّهُ مُهۡلِكُهُمۡ أَوۡ مُعَذِّبُهُمۡ عَذَابٗا شَدِيدٗا قَالُواْ مَعۡذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَّقُونَ ﴾ [الأعراف: ١٦٤]

''اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ بالکل ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت سزا دینے والا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور اس لئے کہ شاید یہ ڈر جائیں۔''

بیشک اللہ پر اور اس کی طرف سے نصرت و مدد پر ثقہ اور بھروسہ، اور اس کی توفیق و تائید پر اعتماد کا ایک بہت بڑا حصہ داعیہ میں پایا جانا ضروری ہے، کیوں کہ یہی ثقہ اور اللہ کی ذات پر اعتماد داعیہ کے ہاتھوں کو تقویت اور مضبوطی عطا کرتے ہیں، اور اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھ دیتے ہیں، جس وقت معاندین اور مخالفین اس کی دعوت کی راہ میں آکھڑے ہوتے ہیں، اور پھیلتی ہوئی دعوت کی راہ میں رکاوٹ اور ٹھوکریں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ داعیہ یہ خیال کرنے لگے کہ دعوت اب ایسی منزل پر آگئی ہے جہاں راستہ مسدود اور بند ہے، اور دعوت میں اتنی استطاعت اور قوت نہیں ہے کہ آگے بڑھنے کے لئے ان چٹانوں کو سر کر سکے۔

تو ایسے حالات میں داعیہ میں یہ شعور اور یقین جاگزیں ہوتا ہے کہ گویا اللہ کی نصرت و مدد اس کا حلیف اور معاون ہے اور اس کے نہاں خانۂ دل میں یہ بات ثبت ہو جاتی ہے کہ لاکھ رکاوٹیں اور مشکلات دعوت کی راہ میں روڑے بنیں مگر وہ پھیلتی اور بڑھتی ہوئی اپنا وافر نصیبہ لیکر رہے گی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس دعوت کے فروغ کے لئے منہج صحیح اور دل پسند طریقہ سے راضی اور خوش ہے، اور یہ چیز وہی اللہ کی ذات پر ثقہ اور بھروسہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں پیش کیا گیا ہے:

﴿ وَمَا لَنَآ أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى ٱللَّهِ وَقَدْ هَدَىٰنَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَآ ءَاذَيْتُمُونَا ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُتَوَكِّلُونَ ﴾ [إبراهيم: ١٢]

"آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ رکھیں جبکہ اسی نے ہمیں ہماری راہیں سمجھائی ہیں، اور جتنی ایذائیں تم ہمیں دوگے ہم ان پر صبر ہی کریں گے، توکل کرنے والوں کو یہی لائق ہے کہ وہ اللہ ہی پر توکل کریں۔"

شروط الدعوة لدين الله

اللہ کے دین کی طرف دعوت کے لئے شرطیں

❶ صدق اور اخلاص کے ساتھ دین حق پر جس کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں ہمارا ایمان ہونا چاہئے۔

فرمانِ ربِّ ذوالجلال ہے:

﴿ءَامَنَ ٱلرَّسُولُ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيۡهِ مِن رَّبِّهِۦ وَٱلۡمُؤۡمِنُونَ﴾ [البقرة: ٢٨٥]

''رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کی طرف اللہ کی جانب سے اتری اور مومن بھی ایمان لائے۔''

❷ جس حق پر دل سے ایمان لایا اس کی شہادت زبان سے بھی دے، فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِذۡ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُۥ لِلنَّاسِ وَلَا تَكۡتُمُونَهُۥ﴾ [آل عمران: ١٨٧]

''اور اللہ تعالیٰ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کروگے اور اسے چھپاؤ گے نہیں۔''

☆ شخصی مصلحتوں اور ذاتی مفادات کو مدّ نظر اور ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دعوت حق کا کام چھوڑ دینا جائز نہیں ہے، ہاں کچھ استثنائی حالات میں ایسا کر سکتا ہے جیسے کہ اسے ایسا خطرہ لاحق ہو جائے کہ دعوت حق کا کام انجام دینے میں اس کی جان بھی جا سکتی ہے اور وہ اس تباہی اور ہلاکت سے اپنے آپ کو بچانا مناسب سمجھتا ہے تاکہ دعوت الی اللہ اور خدمتِ خلق کا فریضہ مزید انجام دے سکے، تو اس ہدف نبیل کو مد نظر رکھتے ہوئے وقتی طور پر دعوت حق کے فریضہ سے رک سکتا ہے۔

لیکن اگر کوئی داعیہ ایسی جگہ میں صدائے حق بلند کرنے سے رک گیا جہاں اس کی سخت ضرورت تھی اور کوئی چیز بیچ میں مانع اور حائل نہ تھی، تو ایسا شخص اسلامی غیرت اور حمیّت سے خالی اور عاری ہے اور

اس نے اپنے آپ کو ہلاکت کی نذر کر دی۔

❸ زبان کی شہادت کے ساتھ عمل کی شہادت لازم ہونی چاہئے، یعنی قول و عمل میں موافقت اور مطابقت ضروری ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ أَتَأۡمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلۡبِرِّ وَتَنسَوۡنَ أَنفُسَكُمۡ وَأَنتُمۡ تَتۡلُونَ ٱلۡكِتَٰبَۚ أَفَلَا تَعۡقِلُونَ ﴾ [البقرة: ٤٤]

''کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو باوجود یہ کہ تم کتاب پڑھتے ہو، کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟''

❹ تمام قسم کی عصبیتوں سے یہ شہادت بالاتر ہونی چاہئے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلۡقِسۡطِۖ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَـَٔانُ قَوۡمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعۡدِلُواْۚ ٱعۡدِلُواْ هُوَ أَقۡرَبُ لِلتَّقۡوَىٰۖ ﴾ [المائدة: ٨]

''اے ایمان والو! تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے، عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔''

❺ اللہ کے دین کی شہادت نفس کی قربانی کے ساتھ دینی چاہئے، اگر کبھی اس کی ضرورت محسوس ہو تو، اور اسلامی دعوت کے انجام دینے میں اگر مال و دولت اور وقت کی قربانی کی ضرورت پڑے تو مال و دولت اور وقت کی قربانی دینی چاہئے، اگر جہد و مشقت کی بات آئے تو اسے برداشت کر کے قربانی دیں۔ اسی طرح اگر نہایت قیمتی اور نفیس چیز کی ضرورت محسوس ہو تو اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے قربانی دیں، فرمانِ رب ہے:

﴿ وَٱلَّذِينَ جَٰهَدُواْ فِينَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَاۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَمَعَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴾ [العنكبوت: ٦٩]

''اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انہیں اپنی راہیں ضرور دکھادیں گے، یقینا اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔''

أسلوب العمل الدعوي في الوقت الحاضر

دورِ حاضر میں عملِ دعوت کا اسلوب اور طریقۂ کار

دورِ حاضر میں اگر ہم نبیوں کی سیرت اور اسوہ کو سامنے رکھکر دیکھیں تو ہمارے لئے یہ چیز بالکل کھل کر واضح ہو جائیگی کہ یہ عالم معاصر یعنی موجودہ دنیا میں جن ظروف اور حالات سے ہم گزر رہے ہیں، یہ کئی اعتبار اور وجوہ سے انبیاء علیہم السلام کے زمانے اور حالات سے بہت مشابہ ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب اپنی اصلی شکل میں موجود ہے اور یہ دنیا اب قیامت تک کسی نبی کی ہدایت کے لئے محتاج اور ضرورت مند نہیں ہے، فرمانِ رب ہے:

﴿ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِينٗا﴾ [المائدة: ٣]

''آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔''

پس شرعی نظام ہمارے پاس بالکل کامل شکل میں موجود ہے اور وہ مخلوق کی ہدایت اور مسلمانوں کو دینِ حق پر ثابت قدم رکھنے کے لئے کفیل اور کافی ہے۔

المرحلية والتدرج في الدعوة والتبليغ

دعوت اور تبلیغ کو مرحلہ وار اور درجہ بدرجہ آگے بڑھانا

مبادؤ دعوة الأنبياء عليهم السلام:

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی اولین دعوت:

یہ بات مبنی بر حقیقت ہے کہ أنبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہمیشہ ایسے وقت اور زمانہ میں مبعوث کئے اور بھیجے جاتے رہے کہ جن میں نظامِ حق درہم برہم اور پارہ پارہ ہو جاتا، اور دنیائے وقت پلٹ کر ماضی کی گمراہیوں اور کفر کی ظلمات میں دھت ہو جاتی، اور معاشرہ اور مجتمع پر نظامِ جاہلی کا دور دورہ اور تسلط ہو جاتا، تو ان حالات میں أنبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پہلے پہلے دین کے مبادیات اور أصول اولین کی طرف پکارتے اور آواز دیتے اور دین کی اساس اور بنیادوں کی طرف دعوت دیتے کہ جس پر ایک مثالی اسلامی معاشرہ قائم ہو جائے۔ یہ مبادیات اور اساس تین ہیں جو کہ حسب ذیل مذکور ہیں:

1. کامل توحید کے ساتھ اللہ پر ایمان۔
2. کامل اطاعت کے ساتھ نبوت پر ایمان۔
3. مکمل تفویض و تسلیم اور سپردگی کے ساتھ یوم آخرت پر ایمان۔

خصائص خطاب الأنبياء في الدعوة

دعوت الی اللہ میں انبیاء کے خطاب کی خصوصیتیں

بیشک انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا اپنی اپنی قوم کو بغرض دعوت خطاب فرمانے میں وہ خوبیاں ہوتی تھی کہ ان کی باتیں اور ان کا کلام طبیعتِ انسانی پر حسن اثر ڈالتیں اور دلوں میں گھر کر جاتیں، جو بھی داعیہ انبیاء اور رسل کے اس دعوتی فریضہ کو لیکر اٹھ کھڑا ہو خواہ کوئی بھی زمانہ اور جگہ ہو اسے انبیاء کی ان سیرتوں کی معلومات سے کبھی بھی مستغنی اور بے نیاز نہیں ہونا چاہئے۔

❶ انبیاء اپنی اپنی قوموں کو انہیں کی زبان اور لب ولہجہ میں خطاب فرماتے تھے، فرمانِ رب ہے:

﴿ وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهِۦ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ ﴾ [إبراهيم: ٤]

''ہم نے ہر ہر نبی کو اس کی قومی زبان میں ہی بھیجا ہے تاکہ ان کے سامنے وضاحت سے بیان کردے۔''

❷ کلامِ انبیاء میں بڑی صراحت ہوتی ہے کیوں کہ وہ اپنے عہد حاضر کے اسلوبِ کلام اور طریقۂ گفتگو میں سے ایسا اسلوب اور طریقہ اپناتے ہیں کہ بغیر کسی پیچیدگی کے ان کا مقصد اور ان کی غرض صاف اور آسان طریقہ سے حاصل ہو جائے۔

❸ اس خوبی کے ساتھ تمام انبیاء اور دعاۃ الی الحق اپنے مقصد اور ہدف کی طرف ہزاروں طریقوں کو اپناتے ہوئے چلتے آتے ہیں، قرآنِ عظیم نے اس حقیقت کو کلمۂ (تصریف الآیات) سے تعبیر کیا ہے، یعنی ایک حقیقت کو سمجھانے اور اسے فہم وشعور کے قریب کرنے کے لئے مختلف اسالیب اور متعدد طریقے بروئے کار لاتے ہیں۔

❹ داعیہ کا کلام ایسا ہو جو حماس اور شجاعت ودلیر پیدا کردے اور سینوں میں عواطف ورحم دلی کو زندہ

وبیدار کردے۔انبیاء علیہم السلام فلسفیوں کی طرح صرف عقل کو خطاب نہیں کرتے تھے اور نہ ہی وہ صرف روح کی جانب مخاطب ہوتے تھے جیسا کہ صوفیوں کا طریقہ ہے، بلکہ رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت تو یہ ہے کہ جب آپ کلام فرماتے تو انسان کے نفس میں پوشیدہ جوہر کو اجاگر کردیتے اور اس کے شعور واحساس کو جگادیتے۔آپ ﷺ جب خطاب فرماتے تو آپ کی دونوں چشم مبارک سرخ ہو جاتیں، آواز میں تیزی اور بلندی ہوتی، اور آپ کے غیض وغضب اور غصہ میں سختی آجاتی، ایسا لگتا کہ جیسے آپ کسی فوج کو یہ کہتے ہوئے متنبہ اور ہوشیار کررہے ہوں کہ تم پر صبح یا شام کو دشمن کا حملہ ہونے والا ہے۔

بلا شبہ آپ ﷺ کے خطاب میں یہ حرارت اور گرمی اللہ کی ذات پر ثقہ وبھروسہ واعتماد اور یقین محکم وراسخ کا نتیجہ ہے، نیز تباہی وہلاکت سے گزرتی ہوئی انسانیت پر درد والم اور سسکتی اور دم توڑتی ہوئی انسانیت پر آپ ﷺ کے عطف وکرم کا بھی نتیجہ ہے۔

اور یہی وہ صفات ہیں جن کی وجہ سے ہر زمان ومکان میں دعاۃ کا کلام غیروں سے ممتاز اور جداگانہ ہوتا ہے، اور یہیں سے صحیح کا امتیاز کھوٹے سے، اور ایک حسب ونسب کی طرف دعوت دینے والے شخص کا امتیاز داعی الی الحق سے، یا ایک داعی برحق کا امتیاز صنف نازک کے حسن کو بیان کرنے والے غزل خواں سے، اور ایک داعی صادق کا امتیاز باطل کی طرف بلانے والے فرقہ اور مذہب جدید کی طرف دعوت دینے والے، گمراہ کرنے والے اور تاویل کرنے والے سے ہو جاتا ہے۔

❺ تمام انبیاء علیہم السلام کا ہدف ایک ہوتا ہے، وہ لوگ اپنے ترکش سے ہر تیر ایک ہی نشانہ پر مارتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام دورانِ گفتگو اپنے منہج اور اسلامی دستورِ حیات کا بھرپور التزام رکھتے ہیں اور دورانِ خطاب اپنے خطوّں اور افکار ومبادیات پر بڑی سختی سے کاربند رہتے ہیں۔

❻ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اس بات کا بھرپور لحاظ رکھتے ہیں کہ لفظ ومعنیٰ صاف اور واضح وسریع الفہم

ہوں، اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ کہاں پر بات لمبی اور کہاں پر مختصر کی جائے، اور سامعین و مخاطبین کے مزاج اور نفسیات کو خاطر میں رکھتے ہوئے خطاب کا اسلوب اور طریقہ اپناتے ہیں۔ بطورِ مثال رسولِ اکرم ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک لیجئے:

«يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا».

''آسانی کرو سختی نہ کرو، اور بشارت و خوشخبری سناؤ متنفر نہ کرو یعنی مخاطب کو دین سے بد ظن نہ کرو۔''

❼ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا کلام بہترین، چنیدہ اور دل پسند ہوتا ہے، وہ ایسا انداز کلام اپنانے سے سخت گریز کرتے ہیں جو مخاطب اور سامع کے دل میں نخوت، تکبر، ھٹ دھرمی، تمرد اور سرکشی کو ہوا دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ٱذۡهَبَآ إِلَىٰ فِرۡعَوۡنَ إِنَّهُۥ طَغَىٰ ﴿٤٣﴾ فَقُولَا لَهُۥ قَوۡلٗا لَّيِّنٗا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوۡ يَخۡشَىٰ ﴾ [طه: ٤٣-٤٤]

''تم دونوں (موسیٰ وہارون) فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔''

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿ ٱدۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلۡحِكۡمَةِ وَٱلۡمَوۡعِظَةِ ٱلۡحَسَنَةِۖ وَجَٰدِلۡهُم بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُۚ ﴾ [النحل: ١٢٥]

''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے۔''

تو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ایسے کلمات کا استعمال اور اطلاق نہیں فرماتے جس سے مخاطبین کے اندر دینی شعور مجروح ہو جائے، بلکہ وہ لوگ نہایت واضح اور کھلی دلیلوں کے ساتھ ان کے باطل عقائد کی جڑوں

پر مضبوط قدغن لگاتے ہیں۔ فرمانِ ربِّ کریم ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّواْ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ فَيَسُبُّواْ ٱللَّهَ عَدۡوَۢا بِغَيۡرِ عِلۡمٖ﴾ [الأنعام: ١٠٨]

''اور گالی مت دو ان کو جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کیوں کہ پھر وہ براہِ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔''

اسی وجہ سے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام انکے سخت کلامی اور بد خلقی کا جواب نہایت مٹھاس اور پیار بھری نرم باتوں سے دیا کرتے ہیں، اور ان کی شدت کے بدلے نرمی و ناز کی اور ملائمت اپناتے ہیں، اور ان کی قساوت اور سختی کا جواب نرم خوئی سے دیا کرتے ہیں، کیوں کہ یہی وہ واحد طریقہ ہے جس پر چل کر ایک داعی لوگوں کے دلوں میں اتر سکتا ہے اور نفوس اس کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الرِّفقُ لا يَكُونُ فِي شيءٍ إِلاَّ زَانَهُ، وَلا يُنْزَعُ مِنْ شَيءٍ إِلاَّ شَانَهُ».

''جس چیز میں بھی نرمی ہوتی ہے وہ اسے زینت دار بنا دیتی ہے، اور جس سے یہ نکال لی جاتی ہے اسے عیب دار کر دیتی ہے۔''

مراعاة نفسية المخاطب في عرض الدعوة

حق کی طرف دعوت دینے میں مخاطب کے نفس ومزاج کالحاظ رکھنااور رعایت برتنا

بیج کتناہی صحیح اور بہتر ہو لیکن اسکے اگنے اور پروان چڑھنے کے لئے صالح اور بہترین زمین، اچھی مٹی اور مناسب آب وہوا کی ضرورت ہے، بالکل اسی طرح کلمۂ حق کا معاملہ ہے - باوجود یہ کہ کلمۂ حق اپنے اندر طبیعی تاثیر رکھتاہے - لیکن ایک داعیہ کی ذمہ داری ہے کہ جب وہ دعوت کو پیش کرے تو مخاطب کے مزاج اور نفسی حالت کو مدِّ نظر رکھے، کیوں کہ دلوں اور نفسوں کی حالت یہ ہے کہ یہ جن حالات اور ظروف اور روزمرہ کی نت نئی زندگی اور دنیا سے ہو کر گزرتے ہیں جس کی بناپر یہ کسی چیز کی جانب اقبال یااس سے ادبار (متوجہ ہونے یااس سے بے نیازاختیار کرنے) میں، اس کو لینے کے لئے آگے بڑھنے یااس کو پیچھے چھوڑنے میں، اس کی خواہش اور رغبت یااس سے اعراض اور نہ قبول کرنے میں، مختلف ہوتے اور بدلتے رہتے ہیں، بالکل ٹھیک ان موسموں اور فصلوں کی طرح جو کبھی کسی چیز کے لئے نہایت ہی موزوں اور مناسب ہوتی ہیں اور کبھی غیر مناسب۔

اس لئے دعوتِ اسلامیہ کے میدان میں کام کرنے والے پر یہ واجب ہے کہ وہ دلوں پر طاری ہونے والے نت نئے حالات اور صفات کے بارے میں پوری معلومات اور کافی تجربہ رکھے بالکل اسی طرح جس طرح کسانوں اور کاشتکاروں کو کھیتیوں اور بیجوں کے سلسلے میں بدلتے موسموں اور مناسب آب وہوااور وقتوں کی معرفت اور معلومات ہوتی ہے۔

مبادئ مراعاة نفسية المخاطب

مخاطب کے نفسیاتی مراعات کے مبادیات اور اصول

یعنی مخاطب کے مزاج اور طبیعت کو خاطر میں رکھتے ہوئے دین کو پیش کرنا

اس سلسلے میں چند اسباب واصول کو اپنانا چاہئے:

دعوت نبوی کے منہج کی روشنی میں بعض مبادیات واسباب اور اصول کا استنباط ممکن ہے، نیز انبیاء کرام اس سلسلے میں جو توجیہاتِ ربانی حاصل کرتے تھے اس سے بھی دعوتی اصول کا استنباط ممکن ہے، حسب مقدور میری یہ کوشش ہوگی کہ ان سے نکلنے والے بعض اصول تمہارے سامنے پیش کروں، تاکہ ایک داعیہ ان کی روشنی میں مزید دوسرے مبادیات اور اسباب واصول تک پہنچ سکے جسے وہ اپنے دعوتی مراحل میں استعمال کر سکے، کیوں کہ حقیقت میں اس کا تعلق عام انسانوں کو سمجھنے سے ہے. توجب ایک داعی سلیم الطبیع ہو اور اس کی نیت میں اخلاص ہو، اور اپنے دعوتی مقاصد اور اس کے فوائد اور دور رس نتائج نیز اس کی گہرائی اور گیرائی کو جانتا ہو، تو وہ بآسانی ان امور کو جنہیں وہ بیان کرنے جارہے ہیں اپنی نگاہوں کے سامنے رکھ سکتا ہے اور مختصر مدّت کے اندر وہ اپنے دعوتی منہج اور انبیاء کرام کے منہج کے درمیان زبردست مشابہت محسوس کرے گا۔

پہلا اصول:

کسی بھی چیز کے مختلف جوانب اور متعدد پہلو اور گوشے ہوتے ہیں، بعض گوشوں کے اندر سہولت اور لطافت ہوتی ہے اور بعض کے اندر سختی وصلابت اور کڑواہٹ وترشی ہوتی ہے۔ اب اگر آپ نے اس کے سخت پہلو سے دعوت کو پیش کی تو ممکن ہے کہ وہ اسے ٹھکرادے اور قبول نہ کرے اور اس سے نفرت کرنے لگے، لیکن اگر اس کے نرم ناحیہ اور گوشہ سے اسے دعوت پیش کی تو عین ممکن ہے کہ وہ

دعوت کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ قبول فرمالے اور اس کا گرویدہ ہو جائے، اور اس میں اس کے لئے انسیت آجائے، اور اس سے اعراض اور گریز نہ کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا».

''آسانی کرو سختی نہ کرو، اور بشارت وخوشخبری سناؤ متنفر نہ کرو یعنی مخاطب کو دین سے بد ظن نہ کرو۔''

نیز یہ بھی فرمایا:

«إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ».

''تم آسانی کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو، دشواریاں پیدا کرنے کے لئے نہیں بھیجے گئے ہو۔

دوسرا اصول:

دعوت میں ثبات قدمی کا ایک اہم نقطہ یہ ہے کہ ہر داعی کا یہ وطیرہ اور طریقہ ہونا چاہئے کہ وہ مخاطب کے اندر جاہلی حمیت اور نخوت کو نہ ابھارے بلکہ اس سے کلّیۃ اجتناب کرے۔ ہر داعیہ پر یہ واجب ہے کہ وہ ہر قوم کے معتقدات، رسوم، اور مبادیات کا لحاظ رکھے، ان کے معتقدات میں مباشرۃً طعنہ زنی کرنا اور ان کے دینی شعور اور افکار پر حملہ کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے، کیوں کہ مخاطب کے باطل معتقدات پر مباشرۃً طعنہ زنی کرنا خطرناک انجام اور بھیانک نتائج سے دوچار کر دیتا ہے، اور وہ اس بنا پر دعوت کی قبولیت سے انکار بھی کر سکتا ہے، اور پھر ان باطل شعائر، جذبات وحالات اور عادات جن کے وہ معتقد ہے اس کے اندر جاہلی حمیت اور اندھی عصبیت پھوٹ پڑتی اور اجاگر ہو جاتی ہیں۔ اللہ رب کریم کا فرمان ہے:

﴿ إِذْ جَعَلَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ فِي قُلُوبِهِمُ ٱلْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ﴾ [الفتح:٢٦]

''جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت کو جگہ دی اور حمیت بھی جاہلیت کی۔''

اور بسااوقات اس کی وجہ سے اس کے اندر باطل دین کا حماس و جرئت اور عصبیت اس حد تک پہنچ جاتی ہیں کہ وہ داعیہ کا جانی دشمن بن جاتا ہے اور اسے ذلیل وخوار کرنے اور سب وشتم کرنے پر تل جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کی اہمیت وضرورت کو بہت واضح انداز میں بیان کیا ہے کہ مخاطب کے اندر جاہلی عصبیت کو ابھارنے سے بالکل اجتناب کیا جائے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تَسُبُّواْ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ فَيَسُبُّواْ ٱللَّهَ عَدۡوَۢا بِغَيۡرِ عِلۡمٖۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمۡ ﴾ [الأنعام: ١٠٨]

''اور گالی مت دو ان کو جن کو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کیوں کہ پھر وہ براہِ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے، ہم نے اسی طرح ہر طبقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے۔''

بلکہ قرآن کریم نے اپنے داعیوں کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ جب وہ کسی کے سامنے دعوت پیش کریں تو بہت خوبصورت اور من موہنی انداز میں، فرمانِ ربِ کریم ہے:

﴿ وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُواْ ٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُۚ إِنَّ ٱلشَّيۡطَٰنَ يَنزَغُ بَيۡنَهُمۡۚ إِنَّ ٱلشَّيۡطَٰنَ كَانَ لِلۡإِنسَٰنِ عَدُوّٗا مُّبِينٗا ٥٣ رَّبُّكُمۡ أَعۡلَمُ بِكُمۡۖ إِن يَشَأۡ يَرۡحَمۡكُمۡ أَوۡ إِن يَشَأۡ يُعَذِّبۡكُمۡۚ وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ عَلَيۡهِمۡ وَكِيلٗا ٥٤ وَرَبُّكَ أَعۡلَمُ بِمَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۗ وَلَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ عَلَىٰ بَعۡضٖۖ وَءَاتَيۡنَا دَاوُۥدَ زَبُورٗا ٥٥ ﴾ [الإسراء: ٥٣- ٥٥]

''اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں، کیوں کہ شیطان آپس میں فساد ڈلواتا ہے، بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تم سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کردے یا اگر وہ چاہے تو تمہیں عذاب دے، ہم نے آپ کو

ان کا ذمہ دار ٹھہرا کر نہیں بھیجا۔ آسمانوں وزمین میں جو بھی ہے آپ کا رب سب کو بخوبی جانتا ہے، ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر بہتری اور برتری دی ہے، اور داود کو زبور ہم ہی نے عطا فرمائی ہے۔''

تیسرا اصول:

کچھ لوگ اس بات کے خو گر ہیں کہ انکے لئے القاب وآداب معیاری اور بھاری بھر کم استعمال کئے جائیں، اور دورانِ گفتگو ان سے ہم کلام ہونے والا انکی عظمت کے پہلوؤں کا خاص خیال رکھے، کیوں کہ بڑ کین اور بلند شخصیت ہونے کا شعور ان لوگوں کے اندر اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ اگر ایک بات کرنے والا انکے متعلق ان عظیم خطابات اور القاب کی رعایت نہ برتے تو پھر یہ لوگ مکمل اس کی دعوت کا انکار کر دیتے ہیں، اسے قبول نہیں کرتے اور انانیت کا اظہار کرنے لگتے ہیں، تو اس طرح سے یہ چیز ان کے حق پہ آنے کے درمیان مانع اور حائل ہو جاتی ہے۔

بنا بریں ایک داعیہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ جب اس قسم کے لوگوں سے مخاطب ہو تو ان کی ان کمزوریوں کا حتی الامکان خیال اور لحاظ رکھے، تاکہ ایسی کوئی چیز نہ پیدا ہو جو انہیں حق کی قبولیت سے روک دے اور حق کو اس کی صحیح شکل میں دیکھنے کے درمیان مانع ہو جائے۔

اسی غرض اور مصلحت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما الصلاۃ والسلام کو یہ حکم دیا کہ:

﴿ ٱذۡهَبَآ إِلَىٰ فِرۡعَوۡنَ إِنَّهُۥ طَغَىٰ ﴿٤٣﴾ فَقُولَا لَهُۥ قَوۡلٗا لَّيِّنٗا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوۡ يَخۡشَىٰ ﴿٤٤﴾ ﴾ [طه: ٤٣-٤٤]

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکش کی ہے۔ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھے یا ڈر جائے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محمد ﷺ کو یہ کہتے ہوئے حکم دیا:

﴿ فَبِمَا رَحۡمَةٖ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمۡۖ وَلَوۡ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلۡقَلۡبِ لَٱنفَضُّواْ مِنۡ حَوۡلِكَۖ فَٱعۡفُ

عَنۡهُمۡ وَٱسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِي ٱلۡأَمۡرِۖ فَإِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُتَوَكِّلِينَ ﴾ [آل عمران: ١٥٩]

''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں، اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپکے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے در گزر کریں اور ان کے لئے استغفار کریں، اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں، پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسا کریں، بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اس نرم خوئی کو اس حد تک اپنایا جائے کہ مخاطب عظمتِ حق کا قائل ہو جائے، اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرے، اور نہ ہی اس داعی پر کسی قسم کی انگلی اٹھائے، جو اس پیغام کو اس تک پہنچانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔

اور خود رسول اکرم ﷺ نے ہمیں اپنی توجیہاتِ نبیلہ سے نوازا ہے کہ ہم لوگوں کو انکی حیثیت اور مقام پر اتارا کریں اور ان کی تکریم و تعظیم ان کی شایان شان کے مطابق کریں، اور ان کے حالات اور ظروف کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ان سے گفتگو کریں۔

تو جو اسلوب اور انداز ایک عالم کے ساتھ اپنائیں وہ بالکل اس اسلوب اور انداز سے مختلف ہو جو ایک جاہل یا عادی اور معمولی انسان کے ساتھ اپنایا جائے۔

چوتھا اصول:

جب داعیہ مخاطب کو دیکھے کہ وہ اعتراض اور نقد و جرح پر تل گیا ہے تو ایسی صورت میں مخاطب کے سامنے دعوت پیش کرنے سے اجتناب کرے، اور جب اس کے سامنے دعوت پیش کی تو وہ اس دعوت پر نقد کرنے لگا اور اس کی ہر طرح سے برائی اور مذاق اور طرح طرح کی بیہودہ باتوں سے اس کی شان

میں کیچڑ اچھالنے لگا، تو ان حالات میں اس سے گفتگو کا سلسلہ توڑ دینا چاہئے، اور اپنا چہرہ اس سے پھیر لے اور اس سے باز آجائے، اسے اس کی اپنی حالت پر چھوڑ دے اور بیٹھ کر موقع کی تاک میں رہے، اور مناسب وقت کا انتظار کرتا رہے کہ جب مخاطب کے اندر سنجیدگی، متانت آجائے، دل صاف ہو جائے اور دعوت کی قبولیت کا مزاج بن جائے تو دعوت پیش کرے، فرمانِ رب العالمین ہے ہے:

﴿ وَإِذَا رَأَيْتَ ٱلَّذِينَ يَخُوضُونَ فِىٓ ءَايَٰتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا۟ فِى حَدِيثٍ غَيْرِهِۦ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ ٱلشَّيْطَٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ ٱلذِّكْرَىٰ مَعَ ٱلْقَوْمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴾ [الأنعام: ٦٨]

''اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں، اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں۔''

اس آیت کریمہ میں یہ دلیل موجود ہے کہ مناظرہ کرنے والوں کو اپنے مدّ مقابل سے بہت زیادہ لے دے نہیں کرنی چاہئے اور نہ ہی ان کے بہت زیادہ پیچھے پڑنا چاہئے، اور نہ زیادہ الجھنا چاہئے، اور نہ ہی ہلکے پھلکے معاملوں میں بحث و تکرار کو بڑھانا چاہئے۔

پانچواں اصول:

جب مخاطب اپنے کسی حبیب سے محو گفتگو ہو اور اپنی ہی دنیا میں منہمک ہو، یا اپنی کسی محبوب شئے میں ہمہ تن لگا ہوا ہو کہ اس وقت اس حبیب سے عدم التفات کر کے دعوت کی طرف متوجہ ہونا اس پر بہت دشوار گزرے، تو ایسی حالت میں داعیہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس کے سامنے دعوت پیش کرنے سے گریز کرے۔

ویسے تو یہ موقف اور انداز دعوتی سلسلے میں اپنے پہلے موقف سے مختلف اور جداگانہ ہے، کیوں کہ یہ

موقف اور انداز کسی عناد و دشمنی یا باطل پر اڑے رہنے کو شامل نہیں ہے، البتہ دونوں موقف اس سلسلے میں ضرور متساوی اور برابر ہے کہ مخاطب ایسی حالت میں داعیہ کی بات کو دھیان سے سننے اور تہ دل سے اسے قبول کرنے اور لینے کے لئے بروقت تیار اور مستعد نہیں ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا: ''ہر جمعہ کو تم لوگوں کو ایک مرتبہ وعظ و نصیحت کیا کرو! اگر تم انکار کرتے ہو تو پھر دو مرتبہ، اور اگر تم زیادہ نصیحت کرنا چاہتے ہو تو بس تین مرتبہ، تم لوگوں کو اس قرآن کے متعلق متنفر اور تنگ دل نہ بناؤ، اور میں تمہیں کبھی بھی اس بات پر نہ پاؤں کہ تم (بطور نصیحت) لوگوں کے پاس آؤ اور وہ لوگ محو گفتگو ہوں، تو تم انہیں نصیحت کرنا شروع کر دو جس سے تم انہیں متنفر اور تنگ دل بنا دو، بلکہ تم (ان کی گفتگو کے دوران) بالکل خاموش رہو، اور وہ جب تمہیں نصیحت کے لئے کہیں تو تم انہیں ایسی نصیحت کرو جسے وہ پسند کریں۔''

چھٹا اصول:

داعیہ اس بات کو کبھی نہ بھولے اور ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھے کہ مخاطب کے ملولِ خاطر اور اس کی اکتاہٹ کا سبب نہ بنے، یعنی دورانِ کلام بیجا تکرار لفظی یا طول کلامی جس کی بروقت ضرورت اور حاجت نہ ہو، یا کلام اور گفتگو کا اسلوب ایک ہی ہو اس میں تنوع اور جدّت نہ پائی جاتی ہو، بس ایک ہی خشک انداز پر اپنی بات جاری و ساری رکھے، ان تمام اسلوب سے اجتناب برتنا بہت ضروری ہے۔ اور عملی طور پر یہ بات خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت ہے کہ مخاطب کے مزاج اور حالات کا یہ لوگ بھرپور خیال رکھتے تھے اور انہیں اکتاہٹ اور ملولِ خاطر میں ڈالنے سے بچتے تھے۔

حضرت شقیق سے روایت ہے کہتے ہیں کہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو ہر جمعرات کو پند ونصیحت کیا کرتے تھے، تو ایک شخص نے آپ سے فرمایا، اے ابو عبدالرحمن! میری دلی خواہش اور آرزو ہے کہ آپ ہمیں ہر روز یوں ہی نصیحت کیا کریں، تو آپ نے فرمایا، ایسا کرنے سے مجھے یہ چیز روکتی ہے کہ میں تمہیں ملولِ خاطر اور اکتاہٹ میں ڈالوں، جو میری طبیعت کو گوارا نہیں ہے، بلکہ میں تمہیں وقفہ وقفہ کے ساتھ نصیحت کرتا رہوں گا، جس طرح رسول اللہ ﷺ ہمارے ملولِ خاطر ہونے اور اکتاہٹ محسوس ہونے کا لحاظ کر کے ہمیں پند ونصیحت کیا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

ساتواں اصول:

دعوت کے میدان میں کام کرنے والے کے لئے بہت ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو دعوتی لوازمات سے پوری طرح مستعد اور مسلح رہے کہ جب بھی اسے ایسا موقع ہاتھ لگے تو دعوت کو صحیح طریقہ پر وہاں پہنچا سکے، نیز اسکے پاس دور رس نگاہ اور وقت کو غنیمت سمجھنے کی صلاحیت اور ملکہ بھی ہونا چاہئے کہ ہاتھ آیا ہوا موقع برباد نہ ہونے پائے، اور یہ مناسب ترین وقت یوں ضائع اور تلف نہ ہو جائے۔

اس سلسلے میں سب سے اچھی مثال وہ حکمتِ عملی ہے جسے اللہ کے نبی یوسف بن یعقوب علیہما الصلاۃ والسلام نے موقع کو دیکھتے ہوئے اپنائی۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ وَدَخَلَ مَعَهُ ٱلسِّجْنَ فَتَيَانِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَآ إِنِّيٓ أَرَىٰنِيٓ أَعْصِرُ خَمْرًا ۖ وَقَالَ ٱلْءَاخَرُ إِنِّيٓ أَرَىٰنِيٓ أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِى خُبْزًا تَأْكُلُ ٱلطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِۦٓ ۖ إِنَّا نَرَىٰكَ مِنَ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿٣٦﴾ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِۦٓ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِۦ قَبْلَ أَن يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِى رَبِّىٓ ۚ إِنِّى تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَهُم بِٱلْءَاخِرَةِ هُمْ كَٰفِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَٱتَّبَعْتُ مِلَّةَ ءَابَآءِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَآ أَن نُّشْرِكَ بِٱللَّهِ

مِن شَيۡءٖۚ ذَٰلِكَ مِن فَضۡلِ ٱللَّهِ عَلَيۡنَا وَعَلَى ٱلنَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَشۡكُرُونَ ﴿٣٨﴾ يَٰصَٰحِبَيِ ٱلسِّجۡنِ ءَأَرۡبَابٞ مُّتَفَرِّقُونَ خَيۡرٌ أَمِ ٱللَّهُ ٱلۡوَٰحِدُ ٱلۡقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا تَعۡبُدُونَ مِن دُونِهِۦٓ إِلَّآ أَسۡمَآءٗ سَمَّيۡتُمُوهَآ أَنتُمۡ وَءَابَآؤُكُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ بِهَا مِن سُلۡطَٰنٍۚ إِنِ ٱلۡحُكۡمُ إِلَّا لِلَّهِۚ أَمَرَ أَلَّا تَعۡبُدُوٓاْ إِلَّآ إِيَّاهُۚ ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلۡقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعۡلَمُونَ ﴿٤٠﴾ يَٰصَٰحِبَيِ ٱلسِّجۡنِ أَمَّآ أَحَدُكُمَا فَيَسۡقِي رَبَّهُۥ خَمۡرٗاۖ وَأَمَّا ٱلۡأٓخَرُ فَيُصۡلَبُ فَتَأۡكُلُ ٱلطَّيۡرُ مِن رَّأۡسِهِۦۚ قُضِيَ ٱلۡأَمۡرُ ٱلَّذِي فِيهِ تَسۡتَفۡتِيَانِ ﴿٤١﴾

[یوسف: ٣٦- ٤١]

''اس کے ساتھ ہی دو اور جوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے، اور دوسرے نے کہا میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں آپ اس کی تعبیر بتائیے، ہمیں تو آپ خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں۔ یوسف نے کہا تمہیں جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے تمہارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی میں تمہیں اس کی تعبیر بتلادوں گا، یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے، میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔ میں اپنے باپ داداؤں کے دین کا پابند ہوں، یعنی ابراہیم واسحاق اور یعقوب کے دین کا، ہمیں ہر گز یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ساتھ کسی کو بھی شریک کریں، ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں۔ اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں یا ایک اللہ زبردست طاقتور؟ اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے خود ہی گھڑ لئے ہیں، اللہ

تعالیٰ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، اس کا فرمان ہے کہ تم سب سوائے اس کی کسی اور کی عبادت نہ کرو، یہی دین درست ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اے میرے قید خانے کے رفیقو! تم دونوں میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا، لیکن دوسرا سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ کھائیں گے، تم دونوں جس کے بارے میں تحقیق کر رہے تھے اس کام کا فیصلہ کر دیا گیا۔''

اس موقف کی تفصیلی روداد یوں ہے کہ وہاں پر دو شخص (آپکے ساتھ) قید خانہ میں داخل ہوئے، اور انہوں نے نیند کے عالم میں عجیب وغریب خواب دیکھے، ان دونوں کی یہ خواہش ہوئی کہ ان خوابوں پر جو حقیقت آشکارا ہونے والی ہے اس سے آگاہی حاصل کریں، تو ان دونوں نے یہ دیکھا کہ ان جملہ قیدیوں کے درمیان صرف یوسف علیہ السلام ہی وہ فردِ واحد ہیں جو ان کی اس وقت کی ضرورت پر فوراً کام آسکتے ہیں، تو ان دونوں نے اپنے خواب کا قصہ ان سے کہہ سنایا، اور آپ کی شایان شان آداب والقاب کے تعظیمی وتقدیری واعجابی کلمات آپکے لئے استعمال کئے۔ یہ سب کچھ سنکر بھی یوسف نے جواب میں جلد بازی نہیں کی اور نہ ہی خوش کرنے کے جواب پر اکتفا کیا، اور نہ ہی اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے انکی آنکھوں میں اپنی شخصیت کو دوبالا کرنے کے لئے استعمال کیا، اور نہ ہی ان کی خوشی اور اعجاب کی تمنا کی، اور نہ ہی اس فرصت کو اپنی ذاتی مصلحت کے لئے استعمال کیا، بلکہ یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کے لئے اس سنہری گھڑی کو بہت قیمتی اور لعل بے بہا سمجھا اور دعوت الی اللہ کے لئے اسے استعمال کیا۔ آپ نے خوابوں کی تعبیر اور تأویل کے سلسلے میں جب گفتگو کا آغاز کیا تو اسی گفتگو کے پہلو سے دعوتی انداز کو اپنایا اور اپنے اصل مقصد یعنی توحید کی طرف انہیں دعوت دی، جیسا کہ سلسلۂ کلام اس پر شاہد عدل ہے، نیز یہ طریقہ دعوت دو عظیم چیزوں پر دلالت کرتا ہے:

(الف)ایک داعیہ کے لئے ضروری اور مناسب ہے کہ وہ نشر دعوت کے لئے مناسب موقع محل کی تلاش اور جستجو میں رہے، جیسے کہ کاشتکار نزولِ بارش، معتدل موسم اور بہترین وقت کی تلاش میں رہتے ہیں۔

(ب)جب اللہ تعالیٰ اسے بہترین اور سنہری گھڑی میسر کردے جو دعوت کے لئے نہایت موزوں ہو، تو پھر اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ لمحہ تلف کردے اور یونہی بے مقصد جلدی سے ضائع ہو جائے، بلکہ ہوشیاری کے ساتھ سرعت میں اس وقت کو اپنے عظیم مقصد اور کار خیر میں استعمال کرے۔

آٹھواں اصول:

جب داعیہ کو یہ احساس ہو کہ مخاطب سخت جھگڑے اور دشمنی پر تل گیا ہے تو ایسی صورت میں داعیہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہر وہ ممکن حیلہ اپنائے جو مخاطب کو مزید گمراہی پر اصرار کرنے اور حق سے نفرت اور سخت دشمنی سے روکے، اور پوری کوشش اس بات کی ہو کہ دعوتِ حق نہایت نرم خوئی دل لبھانے والے انداز سے دے کہ باطل پر اصرار کے تمام دروازے اس پر بند کردے، اور خیر ورشد کے نئے آفاق اور راستے اس پر کھول دے، اور ایسا مبہوت بنادے کہ موقف (اقرار توحید) سے راہِ فرار نہ پا سکے، اور نہ ہی اس سے کوئی جواب بن سکے اگر وہ فطری طور پر بلیغ وادیب ہو، اور نہ ہی اپنے اندر حق وباطل میں تمیز کی صلاحیت پاسکے یعنی امتیازِ خیر وشر کلیۃ کھو بیٹھے۔

قرآنِ کریم نے اس گفتگو اور حوار کو بہت خوبصورتی کے ساتھ ذکر کیا ہے، جو ابراہیم خلیل اللہ اور آپکے ہم عصر بادشاہ کے درمیان واقع ہوا، جس اساس اور نقطہ کو ہم اہمیت کے ساتھ بیان کررہے ہیں اس کی سب سے اچھی مثال یہی ہے، اللہ کا فرمان ہے:

﴿ أَلَمۡ تَرَ إِلَى ٱلَّذِي حَآجَّ إِبۡرَٰهِـۧمَ فِي رَبِّهِۦٓ أَنۡ ءَاتَىٰهُ ٱللَّهُ ٱلۡمُلۡكَ إِذۡ قَالَ إِبۡرَٰهِـۧمُ رَبِّيَ ٱلَّذِي يُحۡيِۦ وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا۠ أُحۡيِۦ وَأُمِيتُۖ قَالَ إِبۡرَٰهِـۧمُ فَإِنَّ ٱللَّهَ يَأۡتِي بِٱلشَّمۡسِ مِنَ

ٱلۡمَشۡرِقِ فَأۡتِ بِهَا مِنَ ٱلۡمَغۡرِبِ فَبُهِتَ ٱلَّذِي كَفَرَۗ وَٱللَّهُ لَا يَهۡدِي ٱلۡقَوۡمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴾ [البقرة: ٢٥٨]

''کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پاکر ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا، جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے، وہ کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں، ابراہیم نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ، اب تو وہ کافر بھونچکارہ گیا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

جس دلیل کو نبی اللہ ابراہیم خلیل نے پیش کی اس سلسلے میں وہ بادشاہ کی واہی تباہی اور بک بک کرنے سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئے، نیز ابراہیم علیہ السلام کو یہ حق حاصل تھا کہ دوسری مرتبہ اس پر دلیل پیش کرتے اور اس کا پیچھا کرتے اور اسے اطمینان بخش صحیح جواب دینے پر مجبور کر دیتے، لیکن آپ نے یہ سب کچھ حق رکھتے ہوئے بھی اس کے ساتھ ایسا نہیں کیا، کیونکہ ایسا کرنا حقیقتاً اس طریقۂ حکمت کے معارض تھا جس کا التزام کرنے کا قرآن حکیم نے حکم دیا ہے:

﴿ ٱدۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلۡحِكۡمَةِ وَٱلۡمَوۡعِظَةِ ٱلۡحَسَنَةِۖ وَجَٰدِلۡهُم بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُ ﴾ [النحل: ١٢٥]

''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے۔''

اسی لئے آپ نے جب مخاطب یعنی بادشاہ وقت کی دلی کیفیت اور باطل پر سخت گیری کی طبعی حالت نیز شریر ضد اور مسلسل اصرار کو خوب اچھی طرح جان لیا تو پھر اسکے بعد اس پر دلائل اور معارضہ کا طریقہ ترک کر دیا۔

الداعية مميز فريد

داعیہ یکتا شان اور امتیازی حیثیت والا ہوتا ہے

ہر مسلم اپنی طاقت، قدرت اور استطاعت کی حیثیت سے دعوت الی اللہ پر مکلف ہے، ارشاد باری ہے:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ﴾ [التوبة: ٧١]

''مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ومعاون اور دوست ہیں، وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔''

اور رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ». [رواه مسلم]

''تم میں سے جو کوئی شخص منکر اور غیر شرعی چیز دیکھے تو اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے مٹائے، اگر اس کی استطاعت نہ رکھے تو اپنی زبان سے (اس کی اہانت وتذلیل) کرے، اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو پھر دل سے اسے برا اور غلط سمجھے، (لیکن) ایمان کا یہ سب سے کمزور ترین درجہ ہے۔''

تو ہم اِس واجب اور جلیل المرتبت ذمہ داری کو سرانجام دینے کیلئے دعوت کے دروازہ کو سب کیلئے کھول دیں گے، اور ساتھ ہی ساتھ اِبتدا ہی سے جن اَحباب نے ہماری آواز پر لبیک کہا ہے، ان کی کتاب وسنت کی تعلیمات پر مبنی، صحیح اسلامی تربیت اور تعلیم پر زبردست کدّوکاوش اور بے پناہ محنت صرف کریں گے، اور ہم انھیں دعوتی خوبیوں اور صفات سے متکامل الجہہ اور قوی ترین بنائیں گے، تاکہ وہ اس مشقت طلب مہم کی انجام دہی میں صحیح معنی میں پورے اُتر سکیں، اور یہ کہ ذمہ داری، متابعت اور

مسئولیت ان کے کندھوں پر ویسے ہی رہے جس طرح انکے اسلاف انبیاءورُسل اور سلف اُمّت پر تھی۔ بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی دعوت کیلئے سب سے اَفضل اور خیر البشر کوچُنا،اور اس امّت کوسب پر برتری اور افضیلت عطا کی،اور انھیں قوت تمکنت اور قوتِ تاثیر بخشی،اور علم ومعرفت کی وہ خوبیاں عطا کیں جوانکے غیروں کو نہیں بخشیں، یہ سب کچھ ان کی تائید ونصرت،ان کی قوت وبرتری اوران کی دعوت کے اظہار اور غلبہ کیلئے کیں ، پھر اللہ تعالی نے اَنبیاء ورُسُل کا خلف وجانشین اَولیاء الرحمٰن کو بنایا، جنہیں رسالت اور دعوت کے عظیم اور گراں بہابوجھ کا متحمل بنایا، اور وہ طبقہ علماء ودُعاۃ کا ہے جوکہ نبوت کے میراث کے وارث بنے، کیونکہ اَنبیاء علیھم السلام نے دینار اور درھم کا وارث نہیں بنایا،انھوں نے علم کاوارث بنایا،توجس نے علمِ دین سیکھااس نے عظیم نصیبہ حاصل کرلیا۔

اِسی بناپر عصرِ حاضر میں یہ امت کسی اور چیز کی طرف حاجت مند نہیں سوائے ایسے دُعاۃ کے جو صالح تربیت، مضبوط وصحیح جاہ اور منزل الحق سے مزین اور مرَصّع ہوں تاکہ ذمہ داری اور مسؤلیت کو کماحقہ بنھاسکیں،اوران کی دعوت شرف قبولت وتاثیر سے ہمکنار ہوسکے۔

بیشک ہمیں اس زمانے میں ایسے دُعاۃ کی ضرورت ہے جویکتا انداز کے حامل ہوں، اور اپنے رب کے ساتھ نیز خود اپنی ذات اوراپنی دعوت کیساتھ بالکل سچے اور پکے ہوں کہ ہر نفیس اور قیمتی چیز کو اس سلسلے میں اور اس راہ میں وقت آنے پر قربان کرسکیں، اور اللہ نے اپنی دعوت کیلئے ہمیشہ خِیارُ الخَلق (مخلوقِ انسانی میں سب سے نیک اور صالح لوگ)ہی کاانتخاب کیاہے،رسالت کا بوجھ اٹھانے کی خاطر اللہ نے ان کی صحیح نگہداشت اور صالح تربیت کی،اُنھیں عیوب سے بے داغ بنا کر اپنا چنیدہ اور خاص الخاص بنالیااورانکے ظاہر وباطن کو پاک وصاف یعنی پاک طینت بنایا۔

مقومات الداعية

داعیہ کے کلیدی اَوصاف، یعنی داعیہ کا اصل مغز اور خمیر

پہلی خصلت: ایک داعیہ کا ربط اور صلہ اللہ تعالی سے بہت گہرا اور مضبوط ہو۔

داعیہ خیر کا مرشد اور ہدایت کی طرف رہنمائی کرنیوالا ہوتا ہے۔اس کا ہدف اصلی یہی ہے کہ لوگ اپنے رب کو پہچان لیں، تاکہ دنیا و آخرت کی سعادت سے سرفراز ہو جائیں، اِسلئے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ صلہ اور ربط اللہ سے نہایت مضبوط اور خوب گہرا رکھے، اور اپنا ایمان دنیا کے تمام شواغل سے خالی کر کے اللہ سے ہمیشہ قائم ودائم رکھے، اور یقین محکم کیساتھ اس پر توکل اور اعتماد رکھے، اور جو باتیں دین کی اسے معلوم ہیں اسے بغیر شک وشبہ اور بغیر کسی حرج کے مکمل طور پر دوسروں تک پہنچادے، اس طرح سے دعوتِ حق اس کے قول وفعل کے درمیان سے چشمہ خیر بنکر جاری وساری ہوگا، الحمد للہ تعالیٰ یہ تمام چیزیں ان شاءاللہ بہت سہل آسان ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کیساتھ قوتِ صلہ اور گہرے ربط کے مظاہر میں سے مندرجہ ذیل چند چیزیں:

(الف) اِسلام کے تمام واجبات پر محافظت اور ہمیشگی، دوام، اور اُن واجبات کو شرعی اُصولوں کے مطابق انکے اَوقات میں انجام دینا۔

(ب) دوچند اور انتھک کوشش کرتے ہوئے اسلام میں مستحب اور نیکی اور فضیلت والے اَعمال خیر کی چراگاہ سے بہترین توشہ لینے کو نفس کو سدھانا اور عادی بنانا، جیسے کہ نفل نمازوں کو بکثرت پڑھنا، خاص کر راتوں میں قیام کرنا یعنی تہجد وغیرہ پڑھنا، اور ہر پیر (سوموار) اور جمعرات نیز ایام بیض (ہر مہینہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ) کا روزہ رکھنا، بکثرت صدقہ وخیرات اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا، وغیرہ۔

اللہ تعالی اپنے اَنبیاء علیہم السلام کو اِن اَعمالِ خیر کو اپنانے کیلئے ہمیشہ نصیحت کرتا رہا ہے تاکہ یہ نوافل اور

اعمالِ خیر اُنکی دعوتی راہ میں بہترین معین و مددگار ثابت ہوں، مثلاً موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو اللہ وصیت کرتے ہوئے فرمارہا ہے:

﴿وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي﴾ [طه: ٤٢]

''اور تم دونوں میرے ذکر میں سُستی نہ کرنا۔''

اور دوسری جگہ ارشاد گرامی ہے:

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾ [البقرة: ١٥٢]

''تم لوگ میرا ذکر کرو میں بھی تمھیں یاد کروں گا۔''

اور مومنوں کے وصف میں اللہ نے فرمایا:

﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران: ١٩١]

'' اور جو اللہ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے کرتے ہیں اور آسمانوں وزمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے میرے پروردگار! تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا، تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔''

اور ہمارے نبی اکرم ﷺ راتوں میں قیام فرماتے (تہجد پڑھتے) یہاں تک کہ آپ کے دونوں قدم مبارک میں ورم آجاتا یعنی سوجن آجاتا۔ اُمّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ راتوں میں قیام کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپکے دونوں قدم مبارک میں پھٹن آجاتا (یعنی لمبے قیام سے پیر سوج جاتے اور پھٹن جیسی حالت ہو جاتی)۔

کہتی ہیں: تو میں نے آپ ﷺ سے (آپ کی حالتِ زار پر ترس کھاتے ہوئے) کہا: آپ اتنا لمبا قیام اللیل

کیوں کیا کرتے ہیں؟ اے اللہ کے رسول! جب کہ اللہ نے آپکے اگلے اور پچھلے تمام گناہ کو معاف فرمادیاہے! آپ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: جس نے مجھ پر اتنا بڑا کرم کیاہے۔ کیامیں یہ ناپسند کروں کہ میں (اس کا) ایک شکر گزار بندہ بنوں۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سناہے:

«وَاللَّهِ إِنِّي لأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً». [رواه البخاري]

''اللہ کی قسم! بیشک میں ایک دن کے اندر ستّر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے طلبِ مغفرت کرتاہوں اور اس کی جناب میں توبہ کرتاہوں۔''

اِسلئے ایک داعیہ پر ضروری ہے نیز اس کا وطیرہ ہوناچاہیے کہ وہ ہمیشہ اللہ کے ذکر میں لگارہے، اور ایسی چیزیں جو اُسے اس کے رب اور اس کے دعوتی مشن سے دور کردیں ان سے دور رہے اور ہمیشہ اجتناب کرے۔

اگر اسے کسی چیز کی رغبت ہو تو بس ان چیزوں میں جو اس کے اپنے پاس ہیں یا اپنے ہی مال و دولت میں، اور اگر خوف کھائے وڈرے تو بس اللہ سے اور اس کے عذاب سے، اگر جائے پناہ وسہارا پکڑے تو ہر چیز اور ہر معاملہ میں بس اللہ کی طرف پناہ پکڑے، اور اگر طلب حفظان اور فریاد کرے تو بس اللہ ہی کی جانب تمام چیزوں میں طلب حفظان اور فریاد کرے، انبیاء علیہم السلام اور تمام صالحین رحمھم اللہ اسی راستہ پر قائم ودائم تھے، انھیں جب بھی کوئی دلدوز امر لاحق ہوا تو فوراً انھوں نے نماز، دعا اور سچی توبہ کی طرف رجوع کیا، اور اللہ ہی کا سہارا اور پناہ پکڑا تو بہت جلدی آئی ہوئی غم ومصیبت چھٹ گئی اور نصرتِ اِلٰہی اور سعادت سے سرفراز ہوئے۔

اللہ کے ساتھ قوتِ صلہ اور گہرے ربط کے ثمرات اور اس کے نتائج:

داعیہ کا ایمان نہایت مستحکم گہرا اور قوی ترین ہو جاتا ہے:

مومن کا ایمان گاڑی کے بورڈ میں پیمانہ رفتار کی سوئی کی مانند ہوتا ہے۔ گاڑی جس قدر تیز رفتار ہوتی جائیگی اِنتباہ کی سوئی اسی قدر اَعلیٰ نشاناتِ رفتار کی جانب اشارہ کرتی جائیگی، بالکل اسی طرح بندہ مومن میں ایمان ہے، اطاعت و فرمانبرداری اور عبادت کی نسبت جس قدر زیادہ ہوتی جائیگی اسی قدر ایمان قوی تر، گہرا اور نفس اسی قدر اطاعت میں بلند و بالا ہوتا چلا جائیگا، اور اس کے برعکس جب اَعمالِ صالحہ کی نسبت کم ہوتی جائیگی نفس اسی قدر ضعف اور کمزور و سُست ہوتا جائیگا اور اس بلند و بالا معیار سے پلٹ آئیگا، فرمان جل وعلا ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ ٱللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتُهُۥ زَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴾ [الأنفال: ٢]

''بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں۔''

اور اللہ کا یہ فرمان:

﴿ هُوَ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ ٱلسَّكِينَةَ فِى قُلُوبِ ٱلْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوٓا۟ إِيمَٰنًا مَّعَ إِيمَٰنِهِمْ ﴾ [الفتح: ٤]

''وہی ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون اور اطمینان ڈال دیا تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں۔''

دوسری خصلت: داعیہ پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرے:

تم پہلے اپنے نفس کی اصلاح سے دعوت کا آغاز کرو، ایک کامیاب داعیہ کا یہی شعار ہے، ایک داعیہ جو

دوسروں کی اصلاح چاہتا ہے اور انھیں اللہ کی طرف دعوت دینے کا ارادہ رکھتا ہے، تو اس کے بنیادی اُمور میں سب سے نمایاں اَمر یہ ہے کہ اُسے چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اپنے آپ سے ابتدا کرے، نفس کی اصلاح سے شروعات کرے اور عمل پر اس کا محاسبہ کرے، نفس کو ہمیشہ اس عہد پر قائم رکھے، تاکہ کوئی خامی اور خلا اس میں پیدا نہ ہونے پائے کہ جس کے ذریعہ شیطان نفس میں داخل ہو جائے، اور اس کا عمل فاسد اور خراب کر دے، اور دعوت کمزور اور ٹھپ ہو کر رہ جائے، نیز اسلئے اصلاح اور عمل پر نفس کا محاسبہ ہو کہ تمام لوگ داعیہ کی جانب صرف اپنی آنکھوں ہی سے نہیں بلکہ اپنے پورے اَعضاء وجوارح سے نظر ڈالتے ہیں، اور ہمیشہ اس کی ٹوہ میں اور پیچھے لگے رہتے ہیں، اور اِسکے تمام صغائر وکبائر (چھوٹے بڑے گناہ) اور ھفوات وزلّات (معمولی گناہ اور لغزش) کی تلاش میں شب وروز لگے رہتے ہیں۔

اور ہر زمانہ میں لوگوں کی ہمیشہ یہ حالت رہی ہے کہ وہ سب داعیہ سے اپنا مطالبہ (اپنا حق) اور اپنی طلب داعیہ کے مطالبہ اور طلب سے کہیں زیادہ بڑھ کرتے ہیں۔

﴿ سُنَّةَ ٱللَّهِ ٱلَّتِي قَدۡ خَلَتۡ مِن قَبۡلُۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ ٱللَّهِ تَبۡدِيلٗا ﴾ [الفتح: ٢٣]

''اللہ کے اس قاعدے کی مطابق جو پہلے سے چلا آیا جاتا ہے تُو کبھی بھی اللہ کے قاعدے کو بدلتا ہوا نہ پائے گا۔''

اِسلئے بطور مثال اگر داعیہ کو اپنے نفس کے بارے میں ذرا بھی بخیلی کا احساس ہوا تو اسے چاہیے کہ فورا اپنے نفس کا علاج کرے، تاکہ لوگوں کے درمیان بخیلی کی مثال نہ بنے، داعیہ اگر اپنے نفس کو چھوڑ دیتا ہے یعنی اس سے قطع نظر کر لیتا ہے اور اس کا علاج نہیں کرتا ہے، تو پھر وہ دوسروں کے عیوب کا علاج کس طرح کر سکتا ہے۔ اِس پر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اپنے اکثر معاملات میں اپنی نفسوں پر شدید ترین

پکڑاور گرفت رکھتے تھے اور عزم واستقلال کا پیکر بنکر رہتے تھے،اور پھر انھیں خوبیوں پر اپنے قریب ترین اصحاب یعنی اہل وعیال کی تربیت بھی کرتے تھے،اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَوٰةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ [طه: ١٣٢]

''اپنے گھرانے کے لوگوں پر نماز کی تاکید رکھ اور خود بھی اس پر جمارہ۔''

تیسری خصلت: علم ومعرفت کاہونا:

یہ صفت داعیہ کی جملہ صفات میں سے سب سے اہم ترین صفت ہے۔اِسلئے داعیہ میں عظیم مقدار میں اس کا پایاجاناضروری ہے۔

پس داعیہ کو چاہیے کہ وہ علم وہدایت اور بصیرت کی روشنی میں دعوت دے،اِسی بناپر ایک داعیہ کو شدید ضرورت ہے کہ علم ومعرفت، ثقہ،اِعتماد،وَعی، قوتِ حافظہ اور فہم وبصیرت کا عظیم ذخیرہ اس کے پاس موجود ہو،تاکہ وہ اپنی دعوتی راہ میں اللہ پر توکل کے بعد اپنے پاس موجود اشیاء پر مکمل اعتماد وثقہ کیساتھ چل سکے،قرآنی اور نبوی توجیہات اس سلسلے میں آئی ہوئی ہیں جو اللہ کے دین کے بارے میں ثقہ واعتماد کی قیمت واہمیت پر نگاہ کو ملتفت کرتی ہیں اور اس رازِ سفر سے ایک داعیہ کو متصف ہونے کیلئے رغبت دلاتی ہیں،فرمانِ رب العالمین ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى ٱلَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [الزمر: ٩]

''(اے نبی!)آپ کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟''

اور اللہ کا یہ فرمان:

﴿يَرْفَعِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنكُمْ وَٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ دَرَجَٰتٍ﴾ [المجادلة: ١١]

''اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں درجے بلند کردے گا۔''

اور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ، وَالْفِقْهُ بِالتَّفَقُّهِ، وَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَإِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ» [رواه البخاري]

''اے لوگو! علم حصول علم کے ذریعہ ہوتا ہے، اور فقہ فقاہت حاصل کرنے کے ذریعہ ہوتا ہے، اور جس کے ساتھ تعالیٰ خیر اور بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کی سمجھ اور فقاہت عطا کرتا ہے، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اللہ کے بندوں میں سے علماء ہیں۔''

چوتھی خصلت: خلوص وللّٰہیت کا ہونا:

اِخلاص ہر چیز کا سر اور اَصل اَصیل ہے، اس کے بغیر کوئی بھی چیز اور عبادت باطل اور مردود ہو جاتی ہے۔ حقیقت میں اِخلاص وہ ایمانی قوت ہے جو اپنے صاحب کو گھٹیا اور رذیل مقاصد سے بچا کر مقام بلند کی طرف لے جاتا ہے، اور اس کا رخ مکمل طور سے اللہ کی طرف موڑ دیتا ہے کہ سارا عمل صرف اللہ ہی کیلئے ہو، اللہ کے اس قول میں یہی معنی مقصود ہے:

﴿وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ﴾ [البينة: ٥]

''انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کیلئے دین کو خالص رکھیں ابراھیم حنیف کے دین پر۔''

اور فرمانِ رسول اکرم ﷺ ہے:

«إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى..» [متفق عليه]

''جان لو! تمام اَعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، اور ہر شخص کیلئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی ہے۔''

پانچویں خصلت: اچھا نمونہ:

بیشک قُدوہ کی صفت اور داعیہ کا اپنے نفس اور حالت کی اصلاح کر لینا قریب قریب ایک ہی سِکّہ کی

دونوں وجھیں ہیں، توجب داعیہ نے اپنے آپ کی اور اپنی حالت کی اصلاح کرلی، تو وہ اپنی بات اور قول سے پہلے اپنے عمل سے مدعو (جس کو دعوت دیتا ہے) کیلئے قدوہ بن گیا۔

اِمام رازی علیہ الرحمہ نے کہا: قُدوہ: اُسوہ کے معنٰی میں ہے، اور اُسوہ کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قِسم: اُسوہ حسنہ: یعنی اچھی سیرت۔ فرمان رب العزت والجلال ہے:

﴿ لَّقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرۡجُواْ ٱللَّهَ وَٱلۡيَوۡمَ ٱلۡأٓخِرَ ﴾ [الأحزاب: ٢١]

''یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے۔''

دوسری قِسم: اُسوہ سیئہ: بُرا نمونہ اور بُری سیرت۔ جیسا کہ مشرکوں نے رسولوں کو جواب دیا جب انھیں توحید کی اور اللہ واحد کی عبادت کی طرف دعوت دی:

﴿ بَلۡ قَالُوٓاْ إِنَّا وَجَدۡنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٖ وَإِنَّا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم مُّهۡتَدُونَ ﴾ [الزخرف: ٢٢]

''(نہیں نہیں) بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مذہب پر پایا اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل کر راہ یافتہ ہیں۔''

چھٹی خصلت: درگزر کرنا، بُردبار ہونا، نرم برتاؤ کرنا اور مہربانی کرنا:

لوگ عُنف و سختی اور سختی برتنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں، اسی طرح سخت و درشت سے اور دُرشتگی کا معاملہ کرنیوالوں سے نفرت کرتے اور ان سے دور بھاگتے ہیں، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ فَبِمَا رَحۡمَةٖ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمۡۖ وَلَوۡ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلۡقَلۡبِ لَٱنفَضُّواْ مِنۡ حَوۡلِكَۖ فَٱعۡفُ عَنۡهُمۡ وَٱسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِي ٱلۡأَمۡرِ ﴾ [آل عمران: ١٥٩]

''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ اُن پر نرم دل ہیں، اور اگر آپ بدزبان اور سخت ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ ان سے درگذر کریں اور ان کیلئے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں۔''

داعیہ کی دعوت لوگوں میں فاصلہ ڈالنے یا جُدائی پیدا کرنے کیلئے نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی ان کے اوپر حجت و براہین قائم کرنے کیلئے ہوتی ہے، بلکہ وہ ایسے تمام اَسباب کو اپناتا ہے جو انھیں ہدایت سے سرفراز کردیں، تو داعیہ حقیقت میں اللہ کے اس قول کے زُمرے ہوتا ہے:

﴿ٱدۡفَعۡ بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُ فَإِذَا ٱلَّذِي بَيۡنَكَ وَبَيۡنَهُۥ عَدَٰوَةٞ كَأَنَّهُۥ وَلِيٌّ حَمِيمٞ﴾ [فصلت: ٣٤]

''بُرائی کو بھلائی سے دفع کرو، پھر وہی جس کے اور تمھارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔''

عَنْ أَنَسٍ ﷺ قَالَ: كُنْتُ أَمْشِي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيظُ الْحَاشِيَةِ، فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ، فَجَذَبَهُ بِرِدَائِهِ جَذْبَةً شَدِيدَةً، فَنَظَرْتُ إِلَى صَفْحَةِ عُنُقِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَقَدْ أَثَّرَتْ بِهَا حَاشِيَةُ الرِّدَاءِ مِنْ شِدَّةِ جَذْبَتِهِ، ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! مُرْ لِي مِنْ مَالِ اللّٰهِ الَّذِي عِنْدَكَ.. فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَضَحِكَ، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ...» [رواه مسلم]

انس ﷺ سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ کے ساتھ چل رہا تھا اور آپ ایک نجرانی موٹے گوٹ اور کنارے والی چادر اوڑھے ہوئے تھے، راستہ میں ایک دیہاتی آپ ﷺ کے پاس آیا اور چادر پکڑ کر بڑی شدّت کیساتھ کھینچا، (اس کے بعد) میں نے رسول اللہ ﷺ کی گردن کے چمڑے کی جانب دیکھا، تو اس کے شدت کے ساتھ کھینچنے کیوجہ سے چادر کے گوٹ کی رگڑ سے اس پر نشان پڑ گئے یعنی شدتِ رگڑ سے چمڑا چھِل گیا (آپ نے اسے کچھ بھی نہیں کہا) پھر وہ بولا، اے محمد! مجھے اس مال

میں سے جو اللہ کا تمھارے پاس ہے دینے کیلئے حکم دو؟(یہ سن کر)آپ اس کی جانب مڑے اور پھر ہنس دیئے، پھر اُسے خیرات دینے کیلئے حکم دیا۔

جب رِفق ونرمی کی یہ خوبی اور ممدوح خصلت ہے اور حِلم وبُردباری کی یہ توقیر وشرافت ہے۔تو میرے عزیز داعیہ برادر! تم بھی اس بات پر حریص ہو کہ لوگوں کو دعوت الی اللہ دینے میں نرم اور بُردبار ہو، اور حُسنِ خُلق اپناؤ تاکہ ان کے دلوں میں تمھاری محبت گہری اور پائدار ہو جائے،اور تم پر اعتماد مضبوط اور قوی ہو جائے،اور لوگوں میں تمھارا اثر ورسوخ بے پناہ حد تک ہو جائے۔

ساتویں خصلت: سہولت اور آسانی:

جملہ صفاتِ خیر میں سے جو لوگوں کے درمیان دُعاۃ کی دعوت کو تقویت اور پزیرائی عطا کرتی ہے تمام معاملات کو نرم خوئی، تلطف اور آسانی سے حل کرنا ہے،نہ کہ سختی اور دشواری کیساتھ، چونکہ لوگ مختلف طبیعتوں اور مزاج کے ہوتے ہیں اسلئے صلاحیتِ قدرت و تحمل میں بھی متفاوت اور جداگانہ صفات رکھتے ہیں۔

پس ایک شخص کسی شے کا متحمل ہوتا ہے اور اس کی طاقت رکھتا ہے،اور دوسرا اس کا متحمل اور اس کی قدرت نہیں رکھتا، اس طرح کوئی چیز اس شخص کیلئے موزوں اور مناسب ہے لیکن دوسرے کیلئے غیر مناسب اور غیر موزوں ہے۔اسی لئے حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایک داعیہ پر ضروری ہے کہ سب کیساتھ نرم خوئی تیسیر اور تلطف کا مظاہرہ کرے،سب سے غمناک اور بُرے حالات جن سے اسلام دوچار ہے،وہ ہمارا زمانہ ہے کہ دُعاۃ جن کی فطرت وخلقِت میں ہر معاملہ کے اندر تعسیر اور سختی کرنا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ کسی معاملے میں نرمی وتلطف کا برتاؤ کرنا اِسلام کے نرایا میں سے ہے ہی نہیں۔ اور پھر یہ دُعاۃ حضرات اَولویّات واَفضلیات کا لحاظ بھی نہیں کرتے،اور نہ ہی دورانِ کلام اس بات کی

وضاحت کرتے ہیں کہ کیا فرض ہے اور کیا چیز نفل ہیں، کیا حرام ہیں اور کیا مکروہ ہیں۔اور نہ ہی یہ وضاحت کرتے کہ اس میں نصّ صریح (کتاب وسنت) دلیل ہے یا اس میں اجتھاد کیا گیا ہے۔ تم انھیں دیکھوگے کہ وہ لوگوں کیلئے اِتّہامات ہی تولتے (لگاتے) رہتے ہیں۔اس طرح اسلام کی وسعت کو وہ لوگ تنگ کر رہے ہیں اور شریعت کی مرونت اور اچھائی وفراخی کو محدود کر رہے ہیں اور دین اِسلام سے لوگوں کو متنفر کرتے رہتے ہیں، کتنا بُرا ہے وہ کام جو یہ لوگ انجام دے رہے ہیں۔

آٹھویں خصلت: صبر کرنا:

مصائب پر نفس کو قابو میں رکھنا اور زبان پر حرفِ شکایت نہ لانا، اِسے صبر کہتے ہیں، یہ موقف عوام الناس پر بڑی کٹھن اور دشوار ترین ہے، اور راہِ محبت میں پُر خوار اور وحشت والی سخت ترین وادی ہے۔

اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر (بھلائی کا حکم اور بُرائی سے روکنا) یہ وہ عمل ہے کہ اِس کے علمبر دار (داعی) کو سخت کٹھنائیوں اور معارضہ کا سامنا کرنا پڑے گا اُن کی جانب سے جنھیں بھلائیوں کا حکم دے گا یا بُرائیوں اور منکرات سے روکے گا۔ کیونکہ وہ انھیں روکتا ہے ایسی چیزوں سے جس کے وہ رسیا اور دلدارہ ہو چکے ہیں اور انکے ہوائے نفس کی چاہت کے خلاف اس کا حکم ہے۔

اِسی لئے اسلام ایک داعیہ کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے دعوتی مشن میں صبر کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہو، فرمان رب العزّت ہے:

﴿وَٱلۡعَصۡرِ ۝١ إِنَّ ٱلۡإِنسَٰنَ لَفِي خُسۡرٍ ۝٢ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَتَوَاصَوۡاْ بِٱلۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡاْ بِٱلصَّبۡرِ ۝٣﴾ [العصر: ١- ٣]

''زمانے کی قسم، بیشک بالیقین انسان سراسر نقصان میں ہے، سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، اور جنھوں نے آپس میں حق کی وصیت کی، اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی۔''

اور لقمان علیہ السلام کی زبانی اللہ کا یہ فرمان:

﴿ يَٰبُنَيَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأۡمُرۡ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَٱنۡهَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ وَٱصۡبِرۡ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ ٱلۡأُمُورِ ﴾ [لقمان: ١٧]

''اے میرے بیٹے! تو نماز قائم رکھنا، اچھے کاموں کی نصیحت کرتے رہنا، بُرے کاموں سے منع کیا کرنا اور جو مصیبت تم پر آجائے صبر کرنا، یقین مان کہ یہ بڑے تاکیدی کاموں میں سے ہے۔''

داعیہ کا صبر، دو ناحیہ یعنی دو طرف سے مطلوب ہے:

پہلا ناحیہ: داعیہ سے مدعو (جس کو دعوت دے) پر صبر مطلوب ہے (یعنی مدعو کی جانب سے پیش آنیوالے حالات پر صبر سے کام لینا داعیہ کی صفاتِ عُظمیٰ میں سے ہے)۔

داعیہ دعوت دینے کیلئے کبھی بھی سُرعت وجلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے، بلکہ اُسے چاہیے کہ دعوت پیش کرنے کیلئے مناسب اور افضل وقت اور موقع کا انتخاب کرے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی رعایت برتے کہ مدعو نفسیاتی طور پر مطمئن اور مرتاح ہو، اور وہ اس دعوت کو حضورِ قلب کیساتھ سننے کیلئے تیار ہو، اور داعیہ سے بھی دلی طور پر مرتاح اور خوش ہو، یہ وہ عوامل اور اسباب ہیں جو دعوت کی قبولیت میں موثر کردار ادا کرتے ہیں۔

توجب داعیہ اپنی دعوت پیش کرے تو ہر گز عُجلت اور جلدی نہ کرے، اور نہ ہی مدعو پر سخت گیری کا مظاہرہ کرے، اور نہ ہی بَزورِ قوت اپنی دعوت قبول کرنے کیلئے اس پر کسی طرح کا دباؤ ڈالے، بلکہ اس کے ساتھ رفق وتلطف اور نرمی برتے اور اسے موقع دے کہ وہ اس نئے موضوع (دعوت دین) پر نہایت سنجیدگی سے سوچ وفکر کرلے۔

ایک داعیہ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کی ذمہ داری بس یہ ہے کہ وہ اپنی دعوت کو حکمت اور حُسن

اُسلوب کے ساتھ پیش کرے، اس کی یہ ذمہ داری نہیں اور نہ ہی اس پر یہ واجب ہے کہ مدعو اس کی دعوت کو ضرور قبول کرلے اور ہدایت یافتہ ہو جائے، یہ درجہ کبھی نہیں کسی کو حاصل ہوا یہاں تک کہ یہ مقام انبیاء علیہم السلام کو بھی نہیں ملا (کہ ہر مدعو ان کی بات تسلیم کرلے) تو ایک داعیہ کیلئے کیسے ممکن ہے پس داعیہ کا فریضہ ہے کہ وہ دعوت الی اللہ نہایت حکمت اور حُسن اسلوب سے پہنچادے،

فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَمَا عَلَى ٱلرَّسُولِ إِلَّا ٱلْبَلَٰغُ ٱلْمُبِينُ﴾ [النور: ٥٤]

''سُنو رسول کے ذمہ تو صرف صاف طور پر پہنچادینا ہے۔''

اور اللہ تعالی کا یہ فرمان:

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِى مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَهْدِى مَن يَشَآءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِٱلْمُهْتَدِينَ﴾ [القصص: ٥٦]

''آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ تعالی ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے، ہدایت والوں سے وہی خوب آگاہ ہے۔''

دوسرا ناحیہ: داعیہ کو دعوت پر صبر سے کام لینا ہے اور اس کے تحت دو امر قابل ذکر ہے:

❶ طویل راستہ پر صبر کرنا: پس دعوت کی راہ بہت طویل، دشوار اور تھکن والی ہے، جس وقت سے آدمی کے دل میں ایمان جاگزیں ہوتا ہے اور اللہ تعالی اُسے علم دین سے قدرے نوازتا ہے، وہ شخص اُسی وقت سے دعوت دین کا مطلب اور اَمانت کا متحمل گردانا جاتا ہے، اِسی منہج و راستہ پر تمام انبیاء علیہم السلام چلے، اور اس اُمت کے تمام سلف صالحین رحمہم اللہ بھی۔ بطور مثال؛ نبی اللہ نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک دعوت دین مسلسل دیتے رہے اور اپنی لائی ہوئی شریعت کیلئے اپنے پاس

موجود سب کچھ خرچ کرتے رہے اور بیش بہا چیز کی قربانی دیتے رہے۔

❷ دعوتی مشکلات پر صبر سے کام لینا: کبھی کبھی ایک داعیہ کیلئے اس کے دعوتی سلسے میں کچھ دشواریاں، حسی اور معنوی مشکلات آتی ہیں اور کچھ تکلیف دہ پریشانیاں بھی، اِسلئے داعیہ پر ضروری ہے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، ایک بندہ مومن اپنے دین وایمان اور قوت تحمل، اور دین کے اعتبار سے ابتلاء و آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ: میں نے کہا اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سے وہ کون لوگ ہیں جو سخت ترین آزمائشوں میں ڈالے جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: انبیا علیہم السلام، پھر ان کے بعد صالح لوگ، پھر ان کے بعد لوگوں میں سے جس قدر ایمان و عمل میں اثبت وافضل لوگ ہیں۔

نویں خصلت: علو مرتبہ کی چاہت، عزت کا حصول، اور نسبت خیر کی آرزو:

مسلم داعیہ کی اِنتِماء (نسبت) اپنے دین کی جانب اس کی ان نمایاں صفاتِ خیر میں سے ہے جس کا ذکر سورۂ فصلت میں آیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ﴾ [فصلت: ٣٣]

''اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بُلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔''

پس یہ آیتِ کریمہ، داعیہ کا اپنی ذات کی اِسلام کی جانب اِنتمائ (نسبت) کرنے کی روشنی میں اس کی قدر و منزلت کو بتلا رہی ہے۔ تو اس طرح اس کی قدر و منزلت کو بلند و بالا کر رہی ہے اور غیروں پر اسے فوقیت و عزت بخش رہی ہے۔

یہ شرف وعالی مرتبت اُسے اپنی جنسیت و قومیت اور رنگ و نسل کی بنیاد پر حاصل نہیں ہوا ہے بلکہ اس اعتبار سے کہ اس نے اپنے آپ کو دینِ حنیف کی طرف قولاً و عملاً اور سُلوکا منسوب کیا ہے، فرمانِ رب جلیل و کریم ہے:

﴿ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلۡإِسۡلَٰمُ ﴾ [آل عمران: ١٩]

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔''

دسویں خصلت: داعیہ کا مثقّف ہونا: (یعنی عصری تقاضوں اور علوم وفنون سے بہرہ ور ہونا)۔

بیشک دُعاۃ کا سوچ وفکر اور تامل کی عظیم صلاحیت سے مالا مال ہونا، اور دعوی ثقافت ورُموز سے آگاہ ہونا، حقیقت میں حمیدہ خصال میں سے سب ایک ہے، اور ان کے آزمودہ وتجربہ کار اور کمالِ قدرت سے لبریز بااثر شخصیت کی نمایاں صفات میں سے تابندہ صفت ہے۔

تمام اہلِ عقل وخرد اور بصیرت کے نزدیک یہ اَمر مسلم ومعترف ہے کہ جس کے پاس علم وثقافت کا خزانہ نہیں ہے، وہ اس قدر ناتواں اور کمزور ہے کہ دوسروں تک اس کا خلاصہ اور نچوڑ پیش نہیں کر سکتا ہے، تو کس طرح وہ غیروں کو علم وثقافت دے سکتا ہے؟ اور کیسے اپنے گرد وپیش کی جماعت اور لوگوں کو نفع پہنچا سکتا ہے؟ اور کس قدر اِصلاح اور بُرے حالات کو نیک حالات میں بدلنے کا اہم کردار ادا کر سکتا ہے؟ اور پھر کس طرح وہ استطاعت رکھتا ہے کہ لوگوں میں بااثر اور قابل توقیر بنے؟ یا پھر کس طرح ماحول اور معاشرے میں کم سے کم ثقہ اعتماد واحترام کا مقام پا سکتا ہے، جب لوگوں کو یہ پتہ چلے کہ وہ بالکل نِرا جاہل ہے، ثقافت اور علم سے عاری اور یکسر کورا ہے۔

یہ مثل مشہور ہے کہ فَاقِدُ الشَّيْءِ لاَ يُعْطِيهِ أَبَدًا جو کسی سامان اور چیز کا مالک نہ ہو وہ کبھی دوسرے کو کچھ دے نہیں سکتا، اِسی لئے ایک داعیہ کیلئے بہت بہتر ہے کہ وہ انواع واقسام کی ثقافت سے مزین ہو۔ اور اِن نمایاں ثقافات میں سے چند کو آپکی خاطر قلمبند کر رہا ہوں جو اس طرح ہیں:

❶ علوم شرعیہ کا علم اور ثقافت: جیسے کہ قرآن کریم، علم التفسیر، سنت نبویہ، سیرت نبویہ، علم التوحید، فقہ۔

❷ تاریخی ثقافات (تاریخی معلومات وغیرہ)۔

❸ ادبی اور لغوی ثقافت: اسی میں سے زبان کی سلامتی، کلمات کی صحیح ادائیگی اور تعبیر کا ملکہ۔

❹ اِنسانی ثقافت : یعنی علم النفس کا ہونا، علم الاجتماع (یعنی معاشرہ کا علم) کا ہونا، علم الاخلاق کا ہونا اور علم جغرافیہ وغیرہ کا ہونا۔

❺ علمی عقلی ثقافت کا ہونا: علم کی گیرائی اور گہرائی سے واقف ہونا، رموز و نکات کا استنباط وغیرہ صحیح انداز سے کرنا۔

❻ ثقافت واقعیہ کا علم : وقت کے مسائل کو علم اسلامی کے میزان پر تولنا اور حل نکالنا وغیرہ، اور اس کے مخالف و معاند بین العالمی قوتوں کو سمجھنا اور دنداں شکن جواب دینا وغیرہ۔